فیضِ میر

میر تقی میر

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

فیضِ میر

مصنف

میر تقی میر

ترتیب و تدوین

شریف حسین قاسمی

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند
فروغ اردو بھون، FC-33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولہ، نئی دہلی۔110025

پہلی اشاعت	:	اپریل 2010
تعداد	:	550
قیمت	:	-/32 روپے
سلسلۂ مطبوعات	:	1341

Faiz-e-Mir

by

Mir Taqi Mir

ISBN :978-81-7587-333-9

ناشر: ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، فروغ اردو بھون، FC-33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولہ، نئی دہلی110025

فون نمبر: 49539000، فیکس:49539099

ای۔میل:urducouncil@gmail.com، ویب سائٹ:www.urducouncil.nic.in

طابع: ہائی ٹیک گرافکس، 167/8، سوناپریاچمبرس، جولینا، نئی دہلی۔110025

اس کتاب کی چھپائی میں 70GSM, TNPL Maplitho کاغذ استعمال کیا گیا ہے۔

پیش لفظ

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ اردو کے معروف شاعر میر تقی میر کے تمام آثار کو شائع کرے۔ یہ کام جاری ہے۔ میر تقی میر نے فارسی میں بھی شعر کہے ہیں۔ ان کا فارسی دیوان موجود ہے اور شائع ہو چکا ہے۔ ان کی فارسی نثر میں بھی تین کتابیں ملتی ہیں۔ ایک ''فیض میر''، دوسری ''ذکر میر'' اور تیسری ریختہ (اردو) شعرا کا تذکرہ ''نکات الشعرا''۔

کونسل نے ''فیض میر'' اور ''ذکر میر'' کی تدوین و تصحیح کا کام پروفیسر شریف حسین قاسمی کے سپرد کیا ہے۔ آپ نے ''فیض میر'' مرتب کر لیا ہے جو قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔

میر کے اس رسالے کو پروفیسر مسعود حسن رضوی ادیب مرحوم نے شائع کیا تھا، چوں کہ انھیں ''فیض میر'' کا کوئی دوسرا نسخہ دستیاب نہیں ہوا تھا، اس لیے ان کا مطبوعہ متن صرف ایک ہی نسخے پر منحصر ہے جو ان کے کتب خانے میں محفوظ تھا۔

پروفیسر قاسمی نے پیش خدمت متن کو دو نسخوں کی مدد سے مرتب کیا ہے۔ ایک رضوی مرحوم کا مطبوعہ متن اور دوسرا ''فیض میر'' کا ایک خطی نسخہ جو کتب خانہ رضا، رامپور میں محفوظ ہے۔ اس طرح ''فیض میر'' کا ایک بہتر اور مکمل متن قارئین کی نذر ہے۔

کونسل کی طرف سے پروفیسر قاسمی کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے کہ انھوں نے ''فیض میر'' کا فارسی

متن مرتب کیا، اس پر ایک مفصل تحقیقی پیش گفتار، فرہنگ اور تعلیقات کا اضافہ کیا اور اس طرح میر کی اس کتاب کی افادیت میں اضافہ کیا ہے۔

اہل علم سے گزارش ہے کہ اگر زیرِ نظر کتاب میں انھیں کوئی کمی نظر آئے تو ہمیں لکھیں تا کہ جو خامی رہ گئی ہو وہ اگلی اشاعت میں دور کر دی جائے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ
ڈائرکٹر

پیش گفتار

میر تقی میر (متولد: 1722-23/1135، متوفی: جمعہ 20 شعبان 21/1225 ستمبر 1810) اردو شاعری کی تاریخ میں ''خدائے سخن'' کہلاتے ہیں۔ میر کے اس مقام و رتبے پر کسی نے انگلی نہیں اٹھائی، یعنی اردو میں سب ان کی استادی کے معتقد ہیں:

معتقد کون نہیں میر کی استادی کا

میر کی اسی مسلمہ امتیازی حیثیت وانفرادیت کے پیش نظر فارسی اور اردو کے معتبر و نامور محققین اور ناقدین نے ''خدائے سخن'' کی زندگی اور ادبی کارناموں کو متعارف کرانے اور ان کی قدر و منزلت متعین کرنے کے لیے قابل قدر کام انجام دیے ہیں جو منظر عام پر آ چکے ہیں۔

میر نے، جیسا کہ معلوم ہے، اردو کے علاوہ فارسی میں بھی ایک دیوان [1] مرتب کیا تھا۔ اس میں 522 غزلیات، 104 رباعیات، ایک مختصر مثنوی اور منقبت میں بارہ بند کا ایک ترجیع بند شامل ہیں۔ میر فارسی میں بھی اردو کی طرح غزل کے شاعر ہیں اور عظیم شاعر۔ ان کی غزلوں میں ان کے

1- یہ دیوان پروفیسر نیر مسعود نے مرتب کیا ہے جو نقوش کے میر تقی میر نمبر میں شائع ہوا ہے۔ نیر مسعود صاحب نے اس دیوان سے ایک مختصر انتخاب کیا تھا۔ اس انتخاب کا راقم الحروف نے اردو میں ترجمہ کیا تھا جو ''اردو ادب'' نئی دہلی کے چند شماروں میں شائع ہوا ہے۔

معشوق مجازی کی تعریف وتوصیف ہے۔اس کے سراپا کا بیان ہے۔ عشق وعاشقی میں ان پر کیا کیا بیتی، وہ کن مراحل سے گذرے، عالم ہجر نے ان پر کیا کیا قیامتیں ڈھائیں، ان کا محبوب ان سے کس طرح پیش آیا، انھوں نے کس طرح اس کی ناز برداریاں کیں، وصل نصیب ہوا تو کیف وسرور ومستی نے انھیں کیسی کیسی خوشیاں اور مسرتیں بخشیں، ان ہی کوائف کی توضیح وتشریح ہے میر کی فارسی غزل [1] اسی کو اصطلاحاً ''وقوع گویی'' کہا جاتا ہے۔

خود میر اپنے فارسی دیوان کا ظاہر ہے مبالغے کے ساتھ، اس بیت میں تعارف کراتے ہیں:

گذشت نوبت قدسی و صائب و طغرا　　در این زمان همه دیوان میر می خوانند

اردو نثر میں میر تقی میر کی کسی تخلیق کا علم نہیں، لیکن فارسی نثر میں ان کی درج ذیل تصانیف دستیاب ہیں:

1- نکات الشعرا [2]: مصنف کے بقول یہ اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے جو شعراے ریختہ کی یاد صفحۂ روزگار پر باقی رکھنے کی غرض سے لکھی گئی ہے۔ نکات الشعرا کے مختصر مقدمے میں اس بارے میں خود میر کے الفاظ یہ ہیں: ''فن ریختہ میں جو فارسی کی طرح اردوے معلّٰی شاہ جہان آباد دہلی کی زبان میں شعر کہنے کا انداز ہے، کوئی کتاب اس وقت تک نہیں لکھی گئی۔ اس فن کے شاعروں کے حالات اس روے زمین پر باقی رہ جائیں، اس غرض سے یہ تذکرہ موسومہ نکات الشعرا لکھا جارہا ہے''۔ قرائن سے پتا چلتا ہے کہ یہ تذکرہ 1165ھ (1752) میں مرتب ہوا ہے۔ اس میں 103 شعرا کے احوال درج ہیں۔

نثار احمد فاروقی نے ثابت کیا ہے کہ شعراے اردو کا سب سے پہلا تذکرہ قائم چاندپوری کا

1- تفصیل کے لیے دیکھیے راقم کا مضمون ''میر تقی میر کی فارسی شاعری''، غالب نامہ، نئی دہلی، شمارہ 3۔

2- یہ اب تک تین بار شائع ہو چکا ہے۔ پہلا ایڈیشن نواب صدر یار جنگ حبیب الرحمٰن خان شیروانی کے مقدمے کے ساتھ انجمن ترقی اردو کے سلسلۂ مطبوعات کے تحت نظامی پریس بدایوں سے شائع ہوا تھا۔ دوسرا ایڈیشن 1935 میں مولوی عبدالحق کے مقدمے کے ساتھ، انجمن ترقی اردو پریس، اورنگ آباد سے شائع ہوا۔ اس کے بعد ڈاکٹر محمود الٰہی نے یہ تذکرہ مرتب کر کے 1973 میں دہلی سے شائع کیا ہے۔ حمیدہ خاتون نے اس کا اردو ترجمہ 1944 میں دہلی سے شائع کیا ہے۔

''مخزن نکات'' ہے۔ (دیکھیے تلاش میر، از نثار احمد فاروقی میں شامل مضمون ''تذکرۂ معشوق چہل سالہ''۔)

2- دریاے عشق 1: میر کی یہ ایک اردو مثنوی ہے۔ یہ بڑی مقبول ہوئی۔ اس کو خود میر کے زمانے میں بھی پسند کیا گیا۔ اسی وجہ سے مصحفی (متوفی:1824/1240) نے میر کی اس مثنوی کے جواب میں ''بحر المحبت'' نظم کی 2۔ میر نے اپنی اس مثنوی میں جو قصہ بیان کیا ہے، اسے پہلے انھوں نے فارسی نثر میں لکھا تھا، جس کا ایک قلمی نسخہ رضا لائبریری، رامپور میں موجود ہے 3۔ خود میر کی مثنوی کا قصہ اسی نوعیت کی ایک فارسی مثنوی سے ماخوذ ہے۔

3- ذکر میر 4: یہ محض میر کی خود نوشت سوانح ہی نہیں بلکہ میر کے دور کی سماجی اور سیاسی تاریخ کا ایک اہم ورق بھی ہے۔ میر نے اپنی یہ کتاب 1185ھ کے لگ بھگ لکھنا شروع کی اور خود ان کے بقول 1197 ھ میں اسے مکمل کیا:

مسمّی به اسمی شد ای با هنر   که این نسخه گردد به عالم سمر

ز تاریخ آگه شوی بی گمان   فزایی عدد بست و هفت ار برآن

1- اس قصے کے چند اقتباسات رسالۂ نیرنگ، رامپور کے میر نمبر، جولائی 1928 میں شائع ہوئے تھے۔ امتیاز علی عرشی نے نثر میں اس کا فارسی متن دلی کالج میگزین (میر نمبر) دہلی 1963 میں شائع کیا ہے۔ پروفیسر نثار احمد فاروقی نے بھی اپنے مقالے ''مثنوی دریاے عشق'' میں اس کا تعارف کرایا ہے جو دلی کالج میگزین، (میر نمبر) ص 303-313 پر شائع ہوا ہے۔

2- دیکھیے راقم کا مضمون میر کی مثنوی ''دریاے عشق'' اور مصحفی کی مثنوی ''بحر المحبت'' کے فارسی ماخذ، غالب نامہ، ج26، شمارہ، جنوری 2005۔

3- دیکھیے کلیات میر کا ایک نادر نسخہ، امتیاز علی خان عرشی، دلی کالج میگزین (میر نمبر) ص 375۔

4- مولوی عبدالحق نے سہ ماہی اردو، میں میر کی اس تصنیف کا ملخص اردو ترجمہ 1926 میں شائع کیا۔ 1928 میں اس کا فارسی متن بھی ایک مقدمے کے ساتھ شائع کر دیا۔ اس کے بعد پروفیسر نثار احمد فاروقی نے ذکر میر کا اردو ترجمہ ''میر کی آپ بیتی'' کے عنوان سے 1957 میں طبع کرایا۔ فاروقی صاحب ہی نے تقریباً چالیس سال بعد ذکر میر کے اپنے ترجمے پر نظر ثانی کی اور اسے ذکر میر کے فارسی متن کے ساتھ 1996 میں انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی سے شائع کیا ہے۔

''ذکرِ میر'' سے 1170 برآمد ہوتے ہیں۔ اس میں 27 جمع کیجیے تو 1197ھ حاصل ہوں گے۔ لیکن ''ذکرِ میر'' میں اس سال کے بعد کے واقعات بھی لکھے گئے ہیں۔ جیسے غلام قادر روہیلہ کے مظالم کا بیان جو 1203ھ /1788 کا واقعہ ہے۔ قاضی عبدالودود نے اس بارے میں اپنی اس رائے کا اظہار کیا ہے:

''...... میرا قیاس ہے کہ یہ 1185ھ (1764) میں تمام ہوا۔ آغاز کتاب کے بارے میں میرا قیاس صحیح ہے تو کتاب کا بیشتر حصہ (نسخۂ مطبوعہ میں صفحہ 1 سے صفحہ 120 تک) کاماں میں قلم بند ہوا ہے، محض چند صفحے (صفحہ 121 سے 128 سطر 4) دہلی میں اور باقی لکھنؤ میں......''

4- ''فیض میر''[1] ایک مختصر رسالہ ہے۔ میر کے بڑے لڑکے فیض علی کو جب ''ترسل'' سے آشنائی کا شوق پیدا ہوا تو میر نے یہ رسالہ لکھا اور اپنے بیٹے کے نام کی مناسبت سے اس کا نام ''فیض میر'' رکھا۔ اس میں چند سطری مقدمے کے بعد پانچ حکایات ہیں اور یہ مختصر مدت میں لکھا گیا ہے۔ میر تقی میر اس بارے میں لکھتے ہیں:

"در این ایام فیض علی پسر من ذوق خواندن ترسل پیدا کرده بود، لذا حکایات خمسه متضمن فواید بسیار را به اندك فرصت نگاشتم و مراعات اسم او نموده نام نسخه "فیض میر" گذاشتم[2]"۔

میر نے اس کے بعد یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ جو بھی فیض میر کو دل سے پڑھے گا، گمان غالب ہے کہ وہ (ترسل کے میدان میں) کسی مشکل اور پریشانی سے دوچار نہیں ہوگا۔

فیض میر پر پروفیسر رضوی کے مقدمے سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا محمد حسین آزاد پہلے شخص تھے جنھوں نے آب حیات میں میر کے اس رسالے کا ذکر کیا ہے۔ فیض میر دستیاب نہیں تھا، اس

1- فیض میر، کا فارسی متن اور اس کا خلاصہ سب سے پہلے سید مسعود حسن رضوی ادیب نے نظامی پریس لکھنؤ سے (سال اشاعت درج نہیں) شائع کیا تھا۔ اس کے بعد 1929 میں آپ نے اس کا دوسرا ایڈیشن شائع کرایا۔ اس رسالے کا ذکر اصل میں مولوی عبدالغفور نے سخن شعرا (ص 479) اور پھر محمد حسین آزاد نے آب حیات (ص 254) میں کیا ہے۔ اس کا تذکرہ سراپا سخن (تلخیص تذکرۂ سراپا سخن، ص 189) پر بھی ملتا ہے۔

2- فیض میر، پیش نظر اشاعت، ص ا۔

لیے میر پر تحقیقی کام کرنے والوں نے آزاد کے بیان پر یقین نہیں کیا۔ حضرت ادیب کو جو ''خضر طریقت حضرت آزاد مغفور'' کی آب حیات کو معلومات کا انبار، سمجھتے تھے اور ان کی تحقیق کی وسعت اور جامعیت کا انھیں یقین تھا، جب ''فیض میر'' دستیاب ہوا تو ظاہر ہے انھیں خوشی ہونی ہی تھی۔ ایک تو اس لیے کہ یہ میر کی اس وقت تک ایک مفقودالاثر سمجھی جانے والی تصنیف تھی اور اس کے انکشاف کا سہرا حضرت ادیب کے سر تھا اور دوسرے اس وجہ سے کہ اس کی دستیابی آزاد کے بیان کی تصدیق و تائید تھی۔

میر تقی میر کی چار اولادیں تھیں۔ فیض علی فیض، حسن عسکری عرف میر کلّو متخلص بہ عرش، عزیز محمد حسین کلیم اور ایک لڑکی جس کا تخلص بیگم (متوفی 1223ھ) تھا۔ یہ صاحب دیوان شاعرہ تھیں [1]۔

میر کلو عرش سے سب واقف ہیں۔ فیض علی کے احوال زندگی زیادہ معلوم نہیں۔ یہ میر کے بڑے لڑکے تھے۔ فیض علی سے خود میر اپنی کتاب ''ذکر میر'' میں سب سے پہلے ہمارا تعارف کراتے ہیں۔ میر کمہیر میں تھے، سخت پریشان، کھانے پینے کا سامان نہیں تھا۔ اعظم خان [2] کی خدمت میں پہنچے کہ ان کی مدد سے کچھ دن سکھ سے کٹ جائیں۔ انھیں اپنی بپتا سنائی۔ اعظم خان بہت متاثر ہوا، لیکن اسے خود کچی کھانڈ بھی میسر نہیں تھی کہ میر کو شربت بنا کر ہی پیش کر سکتا۔ باتیں ہو رہی تھی کہ ایک عورت سر پر خوان رکھے دروازے سے داخل ہوئی اور کہا: ''سعدالدین خان کی بہن نے آپ کو دعا کہی ہے اور ''حلوائے نزاکت'' اور شنبہ کی شیرینی بھیجی ہے'' [3]۔

اعظم خان نے وسعت قلبی اور نہایت سخاوت کا مظاہرہ کیا اور یہ خوان اپنے عزیز مہمان میر تقی میر کو پیش کر دیا۔ میر نے کہا: ''یہ تو بہت ہے (اتنے سارے کا) کیا کروں گا''۔ اعظم خان نے کہا:

1- قسیم سخن: عبدالحی ضیا، ص 27۔

2- یہ اعظم خاں کلاں کے بیٹے تھے۔ اعظم خاں کلاں محمد شاہ کے عہد (1719-1748) میں شش ہزاری امیر اور نہایت کریم النفس انسان تھے۔ رک: میر کی آپ بیتی (ذکر میر کا اردو ترجمہ)، نثار احمد فاروقی، انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی، 1996، ص 145

3- یہ سعدالدین خان ثانی ہیں۔ ان کا نام حفیظ الدین تھا، رک: تاریخ محمدی: میرزا محمد بن رستم مخاطب بہ معتمد خان، مرتبہ امتیاز علی عرشی، علی گڑھ، 1960، ص 121

''تمہارے بیٹے میر فیض علی کے کام آ جائے گا''[1]۔

میر کے بعد نساخ نے ان کے تعارف میں لکھا ہے کہ:

فیض تخلص میر فیض علی خلف میر تقی میر، مقیم لکھنؤ[2]۔

شیفتہ بھی ان سے واقف تھے۔ وہ لکھتے ہیں:

ان کو سخن وری کا بہت غرور تھا، لیکن میری نظر سے ان کا ایسا کوئی شعر نہیں گذرا جو ان کے دعوے کا ثبوت ہوتا[3]۔

مصحفی کو میر کا معاصر ہی سمجھنا چاہیے۔ یہ بھی فیض کے بارے میں لکھتے ہیں:

فیض تخلّص پسر میر محمّد تقی میر، جوان صلاحیت شعار است. به مقتضای موزونی طبع که موروثی است، گاه گاهی بر وضع خاندان خود لب به زمزمۀ ریخته می کشاید و اندکی حصه از عجب پدر هم دارد[4]۔

''فیض میر'' کا فارسی متن پیش خدمت ہے۔ یہ متن اور اس کا اردو میں خلاصہ ایک تفصیلی مقدمے کے ساتھ سب سے پہلے پروفیسر سید مسعود حسن رضوی ادیب نے نظامی پریس، وکٹوریہ اسٹریٹ، لکھنؤ سے شائع کیا تھا۔ حضرت ادیب نے اس کو دوبارہ نسیم بک ڈپو، لاٹوس روڈ، لکھنؤ، سے مارچ 1929 میں طبع کرایا۔ اس بار اس کے متن میں تو کوئی رد و بدل نہیں کی لیکن ایک اہم اور مفید فرہنگ کا اضافہ کر دیا تا کہ متن کو سمجھنے میں آسانی ہو سکے۔ یہ بھی عرض کر دیا جائے کہ ''فیض میر'' کا متن جو پروفیسر رضوی نے مرتب کیا تھا خود ان کی نظر میں اشتباہات سے مبرا نہیں ہے، اس لیے اسی میں عافیت تھی کہ اس کا خلاصہ اردو میں پیش کیا جائے اور یہی کام انجام دیا گیا۔

مطبوعہ ''فیض میر'' پر حضرت ادیب کا مقدمہ ادبی اور تاریخی اہمیت کا حامل اور میر تقی میر سے حضرت ادیب کے تعلق خاطر کا غماز ہے۔

1- میر کی آپ بیتی (ذکر میر کا اردو ترجمہ) نثار احمد فاروقی، ص 146-147

2- سخن شعرا، ص 376

3- گلشن بے خار، ص 210

4- تذکرۂ ہندی، ص 166

فیض میر کی یہ دونوں اشاعتیں اب اس کے قلمی نسخے کی طرح کمیاب ہیں۔ اس لیے اس کی تیسری اشاعت ضروری ہے۔

رضوی صاحب کے اپنے کتب خانہ میں ''فیض میر'' کا ایک قلمی نسخہ تھا یہ بدخط اور کرم خوردہ تھا۔ اسے شائع کرنے سے پہلے وہ اس کا ایک دوسرے نسخے سے مقابلہ کرنا چاہتے تھے جو انھیں معلوم تھا کہ رامپور میں کسی کے پاس ہے، لیکن یہ ممکن نہیں ہو سکا اور آپ نے بڑی حسرت سے اس بارے میں لکھا:

رسالہ ''فیض میر'' کا جو نسخہ میرے کتب خانے میں ہے، وہ بدخط بھی ہے اور کرم خوردہ بھی۔ اس کے پڑھنے میں پوری کوشش کی گئی، پھر بھی بعض لفظ مشتبہ رہ گئے۔ جی چاہتا تھا کہ اگر اس کا کوئی دوسرا نسخہ مل جائے تو اس سے مقابلہ کر کے مشتبہ مقامات کی تصحیح کر لی جائے۔ خدا خدا کر کے پتا لگا کہ رام پور میں ایک صاحب کے پاس یہ رسالہ موجود ہے۔ کامیابی کی یہ صورت جو نظر آئی تو میرا شوق مجھ کو رام پور کھینچ لے گیا، لیکن انتہائی کوششوں پر بھی رسالہ کا مقابلہ ممکن نہ ہوا'' 1

پروفیسر ادیب کو رام پور کا نسخہ مقابلے کے لیے نہیں مل سکا، اس لیے انہوں نے معذرت کی:

''اس کتاب میں جو غلطیاں ملیں ان کا ذمہ دار ناظرین مجھ کو نہیں، بلکہ انھیں رام پوری حضرت کو قرار دیں، جنھوں نے مجھ کو ان غلطیوں کی تصحیح کا موقع نہ دیا'' 2۔

رضا لائبریری، رام پور میں ''کلیات میر'' کے ایک قلمی نسخے میں ''فیض میر'' اور ''ذکر میر'' دونوں موجود ہیں۔ 3 اب پتا نہیں یہ وہی نسخہ ہے جس کی تلاش میں حضرت ادیب رام پور تشریف لائے تھے اور مالک نسخہ نے اپنے غیر علمی رویے کا ثبوت دیا اور حضرت ادیب اسے دیکھ بھی

1- فیض میر، مرتبہ پروفیسر سید مسعود حسن رضوی ادیب، نظامی پریس، وکٹوریہ اسٹریٹ، لکھنؤ (پہلی اشاعت)، ص 16۔

2- ایضاً، ص 16۔

3- اردو مخطوطہ، شمارہ 917، اس میں 823 صفحات ہیں۔ ہر صفحہ پر 17 سطریں ہیں۔ ''نکات الشعرا'' کے علاوہ اس میں دیوان اردو، دیوان فارسی، فیض میر اور ذکر میر شامل ہیں۔ مثنوی دریائے عشق کی فارسی نثر بھی موجود ہے۔ ص 367-380۔

نہ سکے۔ ممکن ہے یہی نسخہ کسی وقت بعد میں رضا لائبریری کے ہاتھ فروخت کر دیا گیا ہو۔ رضا لائبریری کے مذکورہ ''کلیات میر'' کا اس لائبریری کے سابق معروف و معتبر فاضل و محقق ڈائرکٹر جناب مولانا امتیاز علی خان عرشی نے مفصل تعارف کرایا ہے۔1

''فیض میر'' کے درج ذیل تین قلمی نسخوں کا علم ہو چکا ہے:

1- پروفیسر سید مسعود حسن ادیب کے کتب خانے کا نسخہ۔ حضرت ادیب کے صاحبزادے پروفیسر نیر مسعود نے راقم کو یہ افسوسناک اطلاع دی ہے کہ یہ نسخہ اب ضائع ہو گیا۔

2- رضا لائبریری رام پور میں موجود ''کلیات میر'' میں شامل ''فیض میر'' کا نسخہ۔

3- ''کلیات میر'' نسخہ گوالیار میں بھی ''فیض میر'' شامل ہے۔ اس کے بارے میں یہ اطلاع ملتی ہے کہ دامن کوہ میں قلعۂ گوالیار کے نیچے غمگین کے کتب خانہ میں یہ نسخہ موجود ہے۔ اس میں دیگر کتابوں کے علاوہ ''کلیات میر'' کا ایک مخطوطہ بھی ہے۔ اس میں پانچ اردو اور ایک فارسی دیوان شامل ہیں۔ نثری حصے میں ''ذکر میر'' اور ''حکایات خمسہ'' (یعنی فیض میر) بھی موجود ہیں۔2

راقم الحروف کی نسخۂ گوالیار تک رسائی نہیں ہو سکی۔ پیش نظر متن پروفیسر مسعود حسن رضوی کے مرتبہ ''فیض میر'' اور رضا لائبریری رام پور کے خطی نسخے پر مبنی ہے۔ پروفیسر رضوی کے مرتبہ متن کے کوائف کا علم ان کے درج بالا بیانات سے ہو گیا ہوگا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ خود اس متن سے مطمئن نہیں تھے چوں کہ ان کا نسخہ ایسے نقائص کا حامل تھا جن کی وہ کسی دوسرے نسخے کی عدم موجودگی کی وجہ سے تصحیح نہیں کر سکے۔

رضا لائبریری میں ''فیض میر'' کا نسخہ معمولی نستعلیق میں کتابت ہوا ہے۔ اس میں املا کی متعدد فاحش غلطیاں ہیں جو اس کے کاتب کی کم سوادی کا ثبوت ہیں۔ اس کے متن کا پروفیسر رضوی کے مرتبہ متن سے مقابلہ کیا گیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ پروفیسر رضوی نے ''فیض میر'' کے اس قلمی نسخے کو جو ان کے پاس تھا اور جو ان کے بقول بدخط اور کرم خوردہ تھا، بڑی حد تک درست پڑھا ہے۔ اس مشکل کام میں فارسی زبان پر ان کے تسلط، اس زبان سے ان کے تعلق خاطر اور ذہنی

1- دیکھیے: دلی کالج میگزین (میر نمبر)۔

2- دیکھیے: نقوش، میر تقی میر نمبر، ادارۂ فروغ اردو، لاہور، اکتوبر، 1980، ص 145

مناسبت اور ذوق سلیم نے ان کی رہنمائی کی ہے۔ فارسی اور اردو مخطوطات کو رات دن پڑھنا، ان میں سے بعض کو مرتب اور شائع کرنا، اس مشق کی بنیاد پر پروفیسر رضوی ''فیض میر'' کا متن بڑی حد تک صحیح متعین کر سکے ہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ اگر پروفیسر رضوی ''فیض میر'' کے اپنے اور رضا لائبریری کے خطی نسخے کا مقابلہ کر بھی پاتے تو انھیں صرف چند مقامات ہی پر اپنے نسخے میں تصحیح کرنی ہوتی اور وہ دو ایک جملے ہی دوسرے نسخے سے اپنے نسخے میں اضافہ کر پاتے۔ یہی کام راقم نے انجام دیا ہے۔ پروفیسر رضوی کے مطبوعہ اور رضا لائبریری کے ''فیض میر'' کے قلمی نسخے میں الفاظ و عبارات میں اختلافات اور حذف و اضافے کو حواشی میں درج کر دیا گیا ہے۔ حواشی میں حتی کاتب کی معمولی غلطیوں کی بھی نشاندہی کر دی گئی ہے جو بہت ضروری نہیں، لیکن اس طرح اب ''فیض میر'' کے دو قلمی نسخے آپ کی خدمت میں پیش ہیں۔ اس کا اقرار بہر صورت ضروری ہے کہ یہ متن اب بھی اشتباہات سے پاک نہیں۔ ممکن ہے کسی وقت ''فیض میر'' کا کہیں بہتر نسخہ اتفاق سے مل جائے تو اس کے متن کو آخری صورت دی جا سکے۔ بقول نظیری:

هست استغفار ما محتاج استغفار ما

یہ بھی عرض کر دیا جائے کہ پروفیسر رضوی نے ''فیض میر'' کی دوسری اشاعت میں فرہنگ شامل کی ہے وہ فرہنگ پیش نظر اشاعت میں شامل ہے۔ ''فیض میر'' اور ''ذکر میر'' میں متعدد الفاظ اور محاورات مشترک ہیں۔ راقم نے ان کی نشاندہی کی ہے۔ ''فیض میر'' میں جن اشخاص، مقامات اور کتابوں وغیرہ کا ذکر آیا ہے، اگر ممکن ہو سکا ہے، ان پر مختصر حواشی بھی لکھے ہیں کہ اس طرح ''فیض میر'' کی عبارات کو بہتر طور پر سمجھا جا سکتا ہے اور خود میر کی علمی و ادبی معلومات کے ذخیرے سے واقفیت بھی ہو سکتی ہے۔ یہ بتا دینا ضروری ہے کہ اشخاص کے ضمن میں یہ عمل کہیں کہیں ممکن ہو سکا ہے چوں کہ بعض اشخاص وغیرہ کے بارے میں کسی ذریعے سے کوئی اطلاع نہیں مل سکی۔ یہ بھی امکان ہے کہ ''فیض میر'' میں حکایات کی طرح یہ نام بھی محض فرضی ہوں۔

میر تقی میر نے ''فیض میر'' جیسا کہ خود انھوں نے بتایا ہے، اپنے لڑکے فیض علی کو 'ترسل' سے آشنا کرانے کے لیے لکھا تھا۔ اس میں ''ترسل'' کے ساتھ ساتھ میر نے اس پر زیادہ زور دیا ہے کہ ان کا لڑکا ان کے اپنے معتقدات سے بھی آشنا ہو سکے۔

میر نے اپنے اس رسالے میں فلسفے، تصوف اور وحدت الوجود کے چند مسائل سے بھی بحث کی ہے۔ درویشوں کی زبانی فلسفۂ الٰہیات سے متعلق ایسے ہی مسائل کی توضیحات اس رسالے میں نظر آتی ہیں۔ قابل توجہ بات یہ ہے کہ میر کو ان مسائل کو بیان کرنے پر بھی پوری قدرت حاصل تھی وہ انہیں صراحت سے بیان کر سکتے تھے۔

حکایات کے انداز بیان سے پتا چلتا ہے کہ ان میں بیشتر چشم دید واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ ان حکایات سے خود میر تقی میر کے ذہنی سانچے کا بھی بخوبی علم ہوتا ہے۔ وہ درویشوں کے شروع سے قائل تھے۔ اس رسالے میں بھی وہ اپنے لڑکے کو مشائخ و اولیاء اللہ کے احوال و کوائف سے آشنا کرا رہے ہیں۔ اسی طرح کی تعلیم، جیسا کہ ''ذکر میر'' سے ظاہر ہوتا ہے، میر کے والد اور چچا نے میر کو بھی دی تھی [1]۔

ان حکایات کے بعض مطالب پر یقین کرنا آسان نہیں۔ اسی طرح کے واقعات فارسی کے مشہور آفاق شاعر میرزا عبدالقادر بیدل کی نثری تحریروں خاص طور پر چہار عنصر میں بھی نظر آتے ہیں۔ بیدل کی وفات 1132ھ میں اور میر کی رحلت 1225ھ میں ہوئی، یعنی دونوں کے زمانۂ حیات میں تقریباً بانوے 92 برس کا زمانی فاصلہ حائل ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ تصوف اور الٰہیات سے متعلق اس طرح کے محیر العقول واقعات کو اس دور میں درخور اعتنا سمجھا جاتا تھا۔ اس طرح کے واقعات نقل کرنے کا شاید یہ مقصد تھا کہ مصنف اپنی شخصیت کے ایک ایسے پہلو سے روشناس کرائے جس سے عام لوگ محروم ہوتے تھے۔ عوام کے لیے اس نوعیت کی حکایتیں دلچسپی کا باعث ہوتی تھیں۔ کچھ لوگ ان پر یقین کرتے تھے اور بعض انہیں محض داستان قرار دیتے تھے اور ان سے لطف اندوز ہوتے تھے۔

صفدر آہ نے ان حکایات کے بارے میں لکھا ہے کہ ان حکایات کی کہانیوں کے پلاٹ میر نہیں بنا سکتے تھے۔ یہ پانچوں کہانیاں انہوں نے جگ بیتی کی صورت میں سنی ہوں گی جس کو زیادہ پر اثر بنانے کے لیے آپ بیتی کی تکنیک میں لکھ دیا ہے۔ ان حکایات میں جو واقعات بیان ہوئے ہیں وہ

1- محمد تقی میر: ڈاکٹر جمیل جالبی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی 1983، ص 60۔

عقل کے لیے نا قابل قبول ہیں، پھر بھی میر کا حسن انشا ہر کہانی میں نکھرا ہوا ہے 1۔

''فیض میر'' کے قطعی سال تصنیف کا علم نہیں ہوسکا۔ صفدر آہ کا قیاس ہے کہ اس کتاب کو پڑھنے کے لیے کسی لڑکے کا کم از کم بارہ چودہ برس کا ہونا ضروری ہے۔ فیض علی 1162ھ میں پیدا ہوئے تھے، لہٰذا ''فیض میر'' کا سال تصنیف 1174 یا 1176ھ ہونا چاہیے۔ اس زمانے میں میر کمہیر میں مقیم تھے 2۔

''فیض میر''، ''نکات الشعرا'' اور ''ذکر میر'' کی فارسی نثر ایک دوسرے سے بہت مختلف نہیں، ہونی بھی نہیں چاہیے کہ ایک ہی مصنف کی تخلیقات ہیں، لیکن ان تینوں تصانیف کا موضوع ایک دوسرے سے مختلف ہے اور اسی اختلاف موضوع و مقصد کی وجہ سے انداز بیان میں جو فرق درآیا ہے، وہ طبیعی ہے۔

''فیض میر'' کی طرز نگارش ''نکات الشعرا'' سے بہرحال زیادہ پختہ ہے۔ اس میں جامعیت بھی ہے اور اختصار کے ساتھ بامحاورہ اسلوب میں اپنے مافی الضمیر کو پیش کرنے کا سلیقہ بھی۔ اس میں مسجع و مقفّٰی عبارات کا استعمال عام طور پر اس انداز میں کیا گیا ہے کہ تصنع کا زیادہ احساس نہیں ہوتا بلکہ عبارت کی روانی پڑھنے والے کو اپنے ساتھ بہا لے جاتی ہے۔ چھوٹے چھوٹے چست فقرے جو عام طور پر مقفّٰی ہیں، طرز ادا کے حسن کو بڑھاتے ہیں۔ میر کی نثر کو دیکھ کر میر حسن نے کہا تھا کہ ''چراغ نثرش روشن'' (میر کی فارسی نثر روشن چراغ ہے) 3۔

اس میں کہیں کہیں حسب حال اشعار کی پیوندکاری بھی کی گئی ہے۔ اور الگ پتا چلتا ہے کہ یہ ایک شاعر کی نثر ہے۔ پروفیسر رضوی نے بھی میر تقی میر کے فارسی زبان پر عبور اور فارسی نثر لکھنے میں ان کی قدرت کو خراج تحسین پیش کیا ہے کہ:

''دنیا نے دیکھ لیا کہ جو قلم اردو نظم کے میدان میں کوثر اور سلسبیل بہاتا تھا، وہ فارسی نثر میں بھی

---

1 - میر اور میریات: صفدر آہ، علوی بک ڈپو، محمد علی روڈ، بمبئی 3، 1972، ص 199-200۔

2 - میر اور میریات، ص 199۔

3 - میر حسن نے لکھا ہے: چراغ نثرش روشن و ساحت نظمش گلشن، تذکرہ شعرائے اردو، لکھنؤ، 1985، ص 159۔

کیا کیا گلکاریاں کرتا ہے''1۔

اس رسالے میں وہ میر کے اسلوب نگارش کی مزید وضاحت کرتے ہیں کہ:

میر بالعموم مقفّیٰ عبارت لکھتے ہیں۔ قافیے کے التزام سے عبارت کی شگفتگی، بے ساختگی اور روانی میں فرق نہیں آتا، شاید کہیں کہیں کچھ تصنع پیدا ہو گیا ہو، لیکن زیادہ تر عبارت کا حسن بڑھ جاتا ہے۔ ہم قافیہ فقروں اور جملوں کی قید سے عبارت میں اکثر یہ نقص پیدا ہو جاتا ہے کہ ہر فقرے اور جملے کے بعد جو دوسرا جوابی فقرہ یا جملہ آتا ہے، اس میں کبھی پہلے فقرے یا جملے کے مفہوم کی بیجا تکرار ہوتی ہے اور کبھی بے ضرورت لفظوں کی بھرتی ہوتی ہے۔ اس سے عبارت میں تصنع، طوالت اور سستی پیدا ہو جاتی ہے، لیکن میر کے یہاں یہ نقص نہیں۔ ان کے یہاں جوابی فقرے اور جملے بھی چست ہوتے ہیں اور اپنا مفہوم علاحدہ رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ جس عبارت میں بڑے بڑے جملوں کے آخر میں قافیہ لایا جاتا ہے، وہ اکثر بے لطف معلوم ہوتی ہے، لیکن میر کے یہاں چھوٹے چھوٹے جملوں بلکہ دو لفظی اور سہ لفظی فقروں کے بعد قافیہ آتا ہے تو عجب بہار دکھاتا ہے2۔

میر عام طور پر اپنی نثر میں قافیے کا التزام کرتے ہیں، لیکن ایسا نہیں کہ قافیے کی تلاش میں مطلب کی راہ بھول جائیں اور نہ یہی کہ بغیر قافیے کے قدم آگے نہ بڑھائیں۔ ایسے جملے اور فقرے بکثرت ہیں جن کے جوابی فقرے نہیں لکھے ہیں۔ اس کے علاوہ کہیں کہیں دور تک نثر عاری لکھتے چلے گئے ہیں۔ اسی طرح توصیفی فقرے بنانے میں میر کو بڑا کمال تھا وہ جب کسی کے اوصاف بیان کرنے پر آتے ہیں تو چھوٹے چھوٹے فقرے پے در پے لکھتے چلے جاتے ہیں3۔

میر تقی میر فارسی الفاظ اور محاورات کے ایک بڑے ذخیرے کے مالک تھے۔ وہ حسب ضرورت ان کو بخوبی استعمال کرنے پر بھی قادر تھے۔ ''فیض میر'' اور اسی طرح ''ذکر میر'' میں انہوں نے بامحاورہ زبان استعمال کی ہے۔ یہ بھی بہر صورت صحیح ہے کہ ''فیض میر'' میں محاورں کی بھرمار نے اس کی افہام و تفہیم میں مشکلیں پیدا کر دی ہیں۔ کہیں کہیں یہ احساس ہوتا ہے کہ میر کو محاوروں

1- فیض میر، مرتبہ سید مسعود حسن رضوی، مقدمہ، ص3۔

2- ایضاً، ص11-12۔

3- ایضاً۔

کے استعمال پر نسبتاً زیادہ اصرار تھا۔ محاورے بھی ایسے جن سے ہندستانی فارسی جاننے والے بہت زیادہ مانوس نہیں تھے۔ محاوروں کی کثرت نے ''فیض میر'' کی نثر کو ایک حد تک غیر طبیعی بنا دیا ہے۔

پروفیسر نثار احمد فاروقی نے ''ذکر میر'' کے اپنے ترجمے ''میر کی آپ بیتی'' کے مقدمے میں یہ وضاحت کی ہے کہ:

آخری عہد مغلیہ میں بہت سے ایرانی شعرا اور اہل قلم ہندستان آ گئے تھے ان شعرا سے بعض ہندستانی شاعروں کا مباحثہ و مناظرہ بھی ہوا۔ خود سراج الدین علی خان آرزو (متوفی: 1169ھ/1756) اور شیخ علی حزیں (متوفی: 1180ھ/1766) کا معرکہ ہمیں معلوم ہے۔ ہندستان کے فارسی داں علما اور شعرا اپنے قدیم فارسی سرمایے پر قانع تھے۔ جدید فارسی محاورات سے انھیں واقفیت نہیں تھی۔ وہ ان ایرانی اہل زبان کے سامنے خود کو ''ناخواندہ'' محسوس کرنے لگے تھے۔ اس کا ردّ عمل یہ ہوا کہ ہندستانی فارسی گو شعرا کی خاصی تعداد رفتہ رفتہ ریختہ گوئی کی طرف چل پڑی۔ اس سے اردو شاعری میں نئی توانائی آ گئی۔ دوسری طرف خان آرزو اور ٹیک چند بہار جیسے علما نے فارسی زبان کے جدید فارسی محاورات کی جمع آوری اور ایک جامع لغت کی ترتیب و تدوین کو ضروری سمجھا تو لغت نویسی کے کام میں پیش رفت ہوئی......1

خان آرزو نے ''چراغ ہدایت'' میں ہندستان میں غیر مانوس فارسی الفاظ و محاورات کو شامل کیا ہے اور ان کی توضیح کی ہے۔ اس کام میں انھوں نے اہل زبان سے بھی مدد لی تھی۔ ''ذکر میر'' میں جو ''محاورہ اہل ایران'' کا استعمال ہوا ہے اس کا دو تہائی سے زیادہ حصہ ''چراغ ہدایت'' کا مرہون منت ہے۔2

یہی صورت حال ''فیض میر'' میں بھی ہے۔ بڑی تعداد ایسے الفاظ و محاورات کی نظر آتی ہے جو ''ذکر میر'' اور ''فیض میر'' میں مشترک ہیں۔ پیش نظر اشاعت کی فرہنگ میں اس طرح کے مشترک الفاظ و محاورات کی نشاندہی کی گئی ہے۔

1- میر کی آپ بیتی: پروفیسر نثار احمد فاروقی، ص 32-33۔

2- ایضاً، ص 32۔

یہ چند بامحاورہ جملے ”فیض میر“ کے اوائل صفحات میں نظر آتے ہیں:

اما گمان نخواهی برد که نان می گویم و جان می دهم. من شیرم، شکم را نان سماط می کنم. نان گربه را به تیر نمی زنم. گفتم: استغفر الله! این چه معنی دارد. آب بر دست چون تو درویشی ریختن، نان پختن است و نان به خون تر شدن این جانان به روغن افتادن [1]۔

میر تقی میر ”فیض میر“ سے رسل ورسائل کا طریقہ سکھانا چاہتے ہیں۔ اس لیے اس کے مطالب کی اتنی اہمیت نہیں جتنی اس کی نثر کی ہے۔

اس رسالے سے میر کی زندگی کے بارے میں اطلاعات حاصل کرنے کی امید بجا نہیں۔ اس کے باوجود میر کی زندگی اور ان کے دو ایک معاصر اشخاص وغیرہ سے متعلق اس رسالے سے یہ پتا چلتا ہے کہ:

اکبر آباد میں ایک محلّہ کا نام ممتاز گنج تھا جو میر کے زمانے میں خرابے کی حالت میں تھا۔ میر ناموافق حالات سے مجبور ہو کر جب اپنے وطن اکبر آباد سے شاہجہاں آباد آئے تو وہ میاں سعید خاں کی خدمت میں بھی پہنچے۔ ان کے بارے میں کسی دوسرے ماخذ سے کوئی اطلاع نہیں ملتی۔ میر اپنے اس محسن کے اخلاقِ کریمانہ کی تعریف کرتے ہیں کہ:

وہ ایک مردِ کامل، نیک دل، خوش خلق، سیر چشم بزرگ تھے۔ اکثر شہر کے بزرگوں کی محفل میں شرکت کرتے تھے اور آخر میں بیٹھتے تھے۔ بڑے لوگ ان کا ادب واحترام کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ صف نعال، مقام صدر بن جاتی تھی۔ سبزان نو خط سے ربط رکھتے تھے۔ کوچہ و بازار میں گھومتے پھرتے تھے۔ شاہ و وزیر ان سے ملنے کے متمنی رہتے تھے مگر وہ کسی پر التفات نہیں کرتے تھے۔ دولت مند بڑی بڑی رقمیں انھیں دیتے تھے اور خود ہی احسان مند رہتے تھے۔ ایک بار ایک وزیر سے چالیس ہزار روپے وصول کیے اور قدم شریف کے شکستہ حوض کی مرمت کرائی اور جو روپیہ بچا، وہ فقیروں اور مسافروں میں تقسیم کر دیا۔ یہ جب پچاس برس کے ہوئے تو گوشہ نشین ہو گئے۔ ہر روز

1۔ فیض میر پیش نظر اشاعت، ص 2-3۔

صبح کی نماز کے بعد قبرستان جاتے اور دوپہر کے قریب واپس آتے۔ میر تقی میر بھی ایک بار چپکے سے ان کے پیچھے ہو لیے۔ دیکھا کہ ہر قبر پر عبرت کی نظر ڈالتے ہیں اور آگے بڑھ جاتے ہیں۔ میر کے پاؤں کی آہٹ پا کر پیچھے مڑ کر سخت لہجے میں بولے کہ ''دوستی میں بہت بے تکلفی مجھے پسند نہیں'' میر پر اس قدر خوف طاری ہوا کہ ان میں ایک قدم اٹھانے کی طاقت بھی نہیں رہی۔ انھیں شعر شاعری سے تعلق خاطر تھا......

ان کے ایک قریبی دوست محمد حسین متخلص بہ کلیم [1] تھے جو بے روزگار تھے اور پھر اسحاق خان شہید کے چھوٹے بھائی مرزا محمد علی کی سرکار میں چالیس پچاس روپے کے نوکر ہو گئے۔

میر کبرویہ سلسلے کے بانی احمد بن عمر بن محمد خوافی خوارزمی معروف بہ نجم الدین کبری سے واقف تھے۔ یہ ''ولی تراش'' کہلاتے تھے۔ خوارزم پر 618ھ/1221 میں منگولوں کے حملے میں قتل کر دیے گئے۔ ان کے قتل کا واقعہ جس انداز سے میر نے لکھا ہے، وہ نجم الدین کبری سے متعلق معتبر کتابوں میں نظر نہیں آتا۔

میں قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی کا ممنون ہوں کہ مجھے ''فیض میر'' مرتب کرنے کی اجازت دی، جو پیش خدمت ہے۔

شریف حسین قاسمی

شعبۂ فارسی، دہلی یونیورسٹی، دہلی

ا- میر نے ان کا ذکر نکات الشعرا میں بھی کیا ہے۔

مآخذ

الف: شمیم سخن: مولوی عبدالحی متخلص بہ صبا، دوسرا ایڈیشن، نولکشور۔

ب: سراپا سخن (تلخیص): سید محسن علی موسوی، لکھنؤ۔

ج: تذکرۂ ہندی: غلام ہمدانی مصحفی، لکھنؤ 1985۔

د: گلشن بے خار: نواب مصطفیٰ خان شیفتہ، لکھنؤ 1982۔

ہ: آب حیات: محمد حسین آزاد، مکتبہ اشاعت اردو، دہلی۔

و: تذکرۂ شعرائے اردو: میر حسن، اردو اکادمی، لکھنؤ 1985۔

ح: میر کی آپ بیتی (ذکر میر کا اردو ترجمہ): نثار احمد فاروقی، انجمن ترقی اردو (ہند)، نئی دہلی، 1996۔

ط: فیض میر: میر تقی میر، مرتبہ پروفیسر سید مسعود حسن رضوی، نظامی پریس، لکھنؤ (پہلی اشاعت)۔

ی: فیض میر: میر تقی میر، مرتبہ پروفیسر سید مسعود حسن رضوی، نظامی پریس، لکھنؤ 1929 (دوسری اشاعت)۔

ک: تاریخ محمدی: میرزا محمد بن رستم مخاطب بہ معتمد خان، مرتبہ امتیاز علی عرشی، علی گڑھ، 1960۔

ل: نکات الشعرا: میر تقی میر، مرتبہ ڈاکٹر محمود الٰہی، ادارۂ تصنیف، ماڈل ٹاؤن، دہلی، جنوری 1972۔

م: نکات الشعرا: اردو ترجمہ از حمیدہ خاتون، نئی دہلی، 1994۔

ن: محمد تقی میر: ڈاکٹر جمیل جالبی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی 1983۔

س: میر اور میریات: صفدر آہ، علوی بک ڈپو، محمد علی روڈ، بمبئی، 1972۔

رسائل

الف: دلی کالج میگزین (میر نمبر)، دہلی 1963ء

ب: غالب نامہ، ج2، شمارہ 1، جنوری 2005ء

ج: نقوش (میر تقی میر نمبر 3) شمارہ 131، لاہور، اگست 1983ء

د: اردو ادب، نئی دہلی (مختلف شمارے)۔

بسم الله الرحمن الرحیم

بعد حمد و ثنای قادر سخنی که به‌یک حرف جریدهٔ عالم را از قلمرو عدم به‌صفحهٔ هستی جلوه داد. و تحیات زاکیات امّی‌ای[1] که آشنا به‌حرف متفصل نبود و اول بسم الله سر به‌جهان معنی نهاد. می‌گوید فقیر حقیر میر محمّد تقی متخلص به‌میر که درین ایام فیض علی پسر من ذوق خواندنِ ترسل پیدا کرده بود[2] لذا حکایات خمسه متضمن فوائد بسیار را به‌اندک فرصت نگاشتم. و مراعات اسم او نموده نام نسخه «فیض میر»[3] گذاشتم. هر که این حکایات خمسه را به‌دل بخواند، غالب که در رنج و سختی نماند.

---

1. اصل: الی.
2. اصل: بودند، حکایات خمسه.
3. اصل: نام نسخه فیض گذاشتم.

حکایت[1]

روزی با درویشی شاه ساهانام[2]، مستغرق شوق صبح و شام، حالاتش بر السنه مذکور. به‌شیرآهوخانهٔ[3] مشهور بر خوردم. التفات بسیاری کرد و گفت که ای جوان در چه خیالی که این همه پریشان حالی. اگر به‌آن سراپاناز سری داری، باید که بخود نظری داشته باشی. با این[4] همه تنزّه و تقدّس علاقه‌ای دارد که او را از تو فرق نتوان کرد. این نیست که پیدا نیست، یا این جا هست و آنجا نیست. هرچند از کمال ظهور حسن چون آفتاب نصف‌النّهار در حجاب است[5] امّا کدام ذرّه از ذرّات عالم دیده‌ای که بی‌پرتو آن آفتاب است. زمان زمان بیندیش و بخود فرو رو مقصود تویی، به‌کام جان واصل شو:

جدا از خود چه می‌جویی توهم کرده مهجورت

اگر معنی همین معنی دگر صورت همین صورت

شامگه[6] مشکیزه‌ای بردوش گرفته به‌بازار می‌آمد و آواز می‌داد که ای خشک دهانانِ ساحل دریای کم آبِ هستی! اگر از[7] شما کسی

---

1. در نسخهٔ اصل هیچ جا لفظ حکایت، نیامده است ولی در نسخهٔ چاپی آمده است و خود میر واژهٔ «حکایت خمسه» را بکار برده است، لذا لفظ «حکایت» نوشته شده است.
2. اصل: شاها
3. اصل: شرآهوخانه.
4. چاپی: آن.
5. اصل: نصف‌النّهار روز خجالت.
6. اصل: شاید.
7. چاپی ندارد.

لب تر کردنی منظور دارد، خوش باشد. هرگاه مردمان بروگرد می‌آمدند، کسی را شربت شکر خام و کسی را پر از شیر جام می‌داد. ریا کاری نبود. آب در شیر نمی‌کرد. قدم پیش‌می‌نهاد.

یکی پاسی از شب گذشته روی سخن به‌سوی من کرد که ای عزیزا اگر نان جوین[1] دست دهد، این پیر ضعیف سیر خورد. چون برخاستم گفت: کجا؟ گفتم: موافق اشاره کاربند می‌شوم. گفتا: برو امّا گمان نخواهی برد که نان می‌گویم و جان می‌دهم. من شیرم، شکم را نان سماط می‌کنم[2]. نان گربه را به‌تیر نمی‌زنم. گفتم: استغفر الله! این چه معنی دارد. آب بر دستِ چون تو درویشی ریختن نان پختن است و نان به‌خون تر شدن این‌جا نان به‌روغن افتادن.

دمی که به‌خانه آمدم، دیدم که مردمان همه در خوابند. مگر کهنه واهی[3] که غَلط و اَغلط می‌کرد. التجا به‌او بردم. آن مرده شو برده بعد رکیدن[4] بسیار نان را[5] پخته به‌دست من داد. چون پیش فقیر بردم، گفت: که این نان قابل خورد آدمی نیست. بر این ماده سگی عففی کرده است. زود ازین‌جا بردار و پیش سگان بینداز. غرض که او هرگز نخورد و مرا این معنی از هوش برد.

عجوز روغن فروشی معتقد داشت. اکثر چرب‌زبانی به‌کار می‌برد.

---

1. چاپی: جوان.
2. اصل: می‌کنم.
3. اصل: کهادای.
4. اصل: به‌قدر کیدن.
5. چاپی ندارد.

پارهٔ نانی دم آبی[1] از خانه[2]‌اش می‌خورد.

یکی بر فقیر حالتی بود بند بند از بند جدا، سر معلّق در هوا. آن سال‌خورده به‌سرِ وقت او افتاد. و از مشاهدهٔ این حالت فریاد برآورد که ای اهل محلّه! کسی میان سها را کشت. هنگامه برپا شد. درویش از شور و غوغای مردم[3] ازان حالت به‌حال[4] اصلی خود آمده هر دو دست بر زمین زدن و نفرین کردن آغاز نهاد که از هر که این راز بر روی[5] روز افتاد، و من مهجور[6] را بخیه بر چهره رفت، امشب پسر او را خون بگیرد، و خودش به‌خواری بمیرد. ناگهان آتش در افتد. رسم باش[7] و بود بر افتد. از من آثار نماند. این‌جا دیّار نماند. آبادی غیرتِ وادی شود. مار به‌عصا راه رود و مردمان تباه و خانه‌ها سیاه. ازین سر تا به‌آن سر ویرانه، این باهم نشستنها افسانه. محلّه را آب برد. این جا قو نپرد.

در این میان روز به‌آخر رسید. دست و دهن به‌آب کشید. قصد نماز دیگر کرد و تلطّف[8] با من سر کرد که ای عزیز! باز[9] امروز پیش

---

1. اصل: پارهٔ نانی دم.
2. اصل: خاله‌اش.
3. چاپی ندارد.
4. چاپی: غوغا ازان به‌حالت به‌حال اصلی.
5. اصل: بروی بزور.
6. اصل: دهن مهجور.
7. اصل: رسم باد و بوش و باد.
8. چاپی: به‌لطف.
9. چاپی ندارد.

از شام برو. موجب تشویش فقیر مشو. محلّه محل نزول حادثات به‌نظر می‌آید. قریب است که عافیت بار بندد و بلا رو نماید. حاصل که مرا دل داد و در فکر نماز افتاد.

چون شب پردهٔ ظلام فروهشت، قریب دو صد دزد به‌سرهنگیِ تمام شمشیرها کشیده درآمدند. و دو سه کس کمندها انداخته بالای بام عجوز برآمدند. پسر خون گرفتهٔ او خود را بر روی آنها کشید و به‌یک ضربت تیغ آبگیری کرده به‌خاک و خون غلطید. مشعل افروخته خانه‌ها را آتش دادند. و به‌خاطر جمع دست غارت کشادند. کسی روی غربا ندید. کار به‌تمامی کشید. تا دلِ شب کل مکل بود. شبگرد رو سیه رو ننمود. وقتی که هنگامه فرو شد، یعنی دزدان خانه‌ها را بار کرده بردند، کسان از فرط هراس محلّه را خالی گذاشته به‌در زدند. هنوز جای باش مقرر نشده بود که ابر سیاهی سفید شده پهن گشت. و دریا دریا باریدن گرفت. بنایی نماند که به‌آب نرسید. متاعی نیافتند که آب ندید. مردمان مانند آب بازان برای نجات دست و پا می‌زدند. امّا از شدّت بارش هر لحظه نومیدتر می‌شدند:

ابـر تـر از بـس تـریـهـا مـی‌نـمـود
هر یکی از خوف جانت[1] خشک بود

پاسی بر این نرفته باشد که صحرا صحرا آب از دشت رو به‌شهر آورده اکثرآبادی را برد. و به‌یک مژگان بهم[2]زدن عمارات آن محلّه برهم خورد. خانه‌ها نشستند. دیوارها شکستند. چون آب را زمین

---

1. اصل: خانه.
2. اصل ندارد.

فرو برد، از در و بام[1] نشانی نیافتم. از بناها آثاری ندیدم. تلاطم امواج و تصادم هوا مکانات را به‌خاک برابر ساخت. کف دست میدانی بود که نگاه بی‌حایل نشیب و فراز تا چشم کار می‌کرد، می‌رفت. عبرت[2] دست بهم داد که این قسم معمورهٔ دق از دل بر در عرصهٔ یک هفته صحرایی لق و دق شد.

حیران کار راهِ تکیهٔ فقیر پیش گرفتم. در اثنای راه نگاهم بر آن پیر زن روغن فروش افتاد که بسان سرنشینان پای‌مال ذلت و خواری افتاده پیش کس و ناکس رو می‌انداخت. گفتم: حرف دیروزه است که دست در روغن داشتی. پسرت جوان خوبی[3] بود. چه واقع شد که دفعتاً به‌چنین بلا مبتلا شدی؟ تو خود سردستی بهر کس می‌گرفتی. چه کردی که به‌جزای آن انگشتر پا شدی. دم سرد برآورد و گفت که ای عزیز! چگویم، تفصیل لطف ندارد. نفرین فقیر خدا گیرم[4] ساخت. آسمان روی مرا بر خاک انداخت. اگر با او برخوری، از من[5] خاک افتاده بگو که ناکشیدنی‌ها کشیدم، به‌سزای کرده رسیدم. اکنون عذر مرا به‌پذیر. از خاک مذلت برگیر.

دعای کن که جهان آب و گل را دعا بگویم. رحم آر که چارهٔ کار از مرگ بجویم. زندگانی مرگ است و مردن زیست. یعنی طاقت

---

1. اصل: از دزد نشانی و.
2. اصل: حسرت.
3. چاپی: چرب.
4. اصل: گرم.
5. چاپی: ازین.

ستم کشیدن نیست. گفتم: دل جمع کن. اگر وقت مساعدت می‌کند، به‌او می‌رسانم.

یک تیر پرتاب رفته باشم که تیر ماری کفچه پهن کرده چون تند باد [1] رسید. از شاه راه کناره کردم و بالا بالا به‌تکیه آمدم. دیدم که فقیر جامهٔ ببری [2] به‌بردارد و بر پوست شیر نشسته است. هیئت هیبت [3] ناکش چنان در من اثر کرد که پایم از پیش بدر رفت. هر طرف از چشم آتش‌فشان به‌وضعی می‌دید که بیننده را زهره آب می‌گردید [4]. پرسید: از کجا می‌رسی؟ التماس کردم که برای سیر خرابهٔ تازه رفته بودم و به‌آن زال ضعیفه نیز ملاقات نمودم. روی درهم کشید و گفت: گپ دیگر بزن. ماری رفته است کار او خواهد ساخت.

پس از ساعتی خبر رسید که عجوز روغن فروش را مارگزید. چون من حیرانِ این واقعه ماندم و به‌رنگ نقش دیوار سخن نراندم، گفت: چه بخود فرورفته‌ای؟ امشب همان مار این رو سیاه را نیز خواهد [5] گزید. حیران‌تر شدم و گفتم: این چه حالت است. گفتا: مگر نشنیده‌ای! دمی که غضب فقیران آتش می‌افروزد، خشک و تر هرچه درو می‌افتد، می‌سوزد. فرصت عمر من کم و حال بسیار درهم. دو سه حرف بشنو و یاد گیر و برو.

---

1. اصل: باد تند.
2. اصل: شیری سردارد.
3. اصل: مسه مسه.
4. اصل: می‌کرد.
5. اصل: خواهند.

گفت که ای عزیز! دنیا کاروانگاه[1] دلکشی است. ازین‌جا به‌جز حسرت همراه نمی‌رود. حیف اوقات آن عزیز که زود[2] آگاه نمی‌شود. شیرانه بزی و بکار گور بپرداز. وقتی که چون آهو گرم رم است[3]، ضایع مساز. افلاطون با آن کمال غریبانه زیستی. و زمان زمان زار گریستی. شاگردی پرسید که سبب گریه ظاهر نمی‌شود. گفتا: ای نافهم! کسی که چون مرگ استحاله‌ای در پیش داشته باشد، چرا نگرید:

خنده می‌آیدم چه می‌پرسی   سببِ گـریه‌هـای زارِ مـرا

بدانکه آن سرمایهٔ جان که مقصود دل‌هاست، آیینه در پیش دارد و سری با خویش. گرم تماشای خود است و محو سراپای خود. اگر بر آسمان هفتم روی، بی‌پرواست. در خاک شوی، همان گرم استغنا. بی‌رنگی[4] او رنگ‌ها دارد و ساز وحدتش[5] آهنگ‌ها. شفق یاد می‌دهد از رنگ آلش[6]. گل می‌گوید که گل به‌جمالش. در پردهٔ کثرت نواسازی می‌نماید. از شش جهت آواز او می‌آید. حرف مرگ می‌گفته باش. به‌گورستان[7] می‌رفته باش. تا از رفتن خود غافل نشوی

---

1. اصل: کارونکاه.
2. اصل ندارد.
3. اصل: گرمست و یکی.
4. اصل: نیرنگی او رنگها.
5. اصل: صدایش.
6. چاپی: آش.
7. اصل: گوستان.

و به‌لعب طفلانه مائل نشوی[1]. برو شام است و راه پُر گِل. مرا تشویش رفتنی در دل. امید که صبح بر جنازهٔ من بیایی. حق صحبت دیرین فراموش ننمایی. مجال تکرار نه یافتم. نومید برخاسته آمدم. از فرط غم هیچ نخوردم. شب در تلوا سه بسر بردم.

هنوز خیط‌الاسود[2] از کنارهٔ دار بست سبز فلک که چندین هزار مار مونیرک سر خود را ازان نمایان دارند، فرونه هشته بود. شوری برخواست که شیرآهوخانه را مار گزید و هلاک گردید. دل از جا رفت، طاقت از پا[3] رفت. اسپ[4] از خانهٔ آشنایی طلبیدم. عنان دل از دست داده رسیدم. غم جان‌گزا بود. گداز گشتم. اشک‌ریزان شریک نماز گشتم. جنازه کشان کدخدایان شدند. دو خواننده نمایان شدند. این بیت را سرودند، بی‌طاقت‌تر نمودند.

همرهِ نعشم بیا تا به‌سرِتربتم

با تو غنیمت بود یک دو سه گامِ دگر

گریان گریان مردهٔ او را بردند و به‌خرابهٔ تازه به‌خاک سپردند. چه نویسم که از مرگ فقیر چه قدر ملالت کشیذم. و از مارگیری ارقم روزگار چه حالت، ماه‌ها سینهٔ من تفت[5]، سالها از خاطر نرفت.

---

1. چاپی: نگردی.
2. اصل: ضبط آن سودا ز کنارهٔ.
3. اصل: ما.
4. اصل ندارد.
5. اصل: ماه‌ها بسینه من که الفت سالها از خاطر نرفت.

حکایت

شنیدم که در خرابهٔ[1] ممتاز گنج که محلّه‌ایست از اکبرآباد، درویشی داغِ سودا بر سر، موی ژولیده تا کمر از دور چون تیر خاکی گرد[2] می‌کند و از بسِ وحشت چون شکار دور کرد. گاه به‌چشم می‌آید و گاه پنهان می‌گردد. مشتاق شده انداز دیدنش کردم. اتفاقاً همان[3] روز راه او از ویرانه به‌بازار محلهٔ مذکور افتاده بود. دیدم که چون گردباد وحشت آماده می‌رسد. و بازاریان دیوانه‌ای بی‌سر و پایش قرار داده[4]، سنگ‌باران می‌نمایند. او می‌گوید که چوب شما در آب ست[5]. مبادا که آسیبی بما برسد و این محلّه پاک بسوزد.

چون بحث به‌طول کشید، سنگی بدوشش رسید. پرکالهٔ آتشی از هوا در انبار پنبه افتاد. شعله‌ای برخاسته پهن شده[6] سر به‌بازار نهاد. به‌یکدم هنگامهٔ آتش چنان گرمی پذیرفت که دست و دل بازاریان سرد شد. یعنی آن قدر آب که این آتش تیز را فرو نشاند، هم نرسید. سنگ و چوب و خشت و غلّه همه خاکستر گردید. خورد و کلان در فکر خویش افتادند[7]. فقیر در این فرصت قدم کشاد.

---

1. اصل: خانه.
2. اصل: از و در خون بر خاک کرد می کند
3. اصل: همان روز او از ویرانه.
4. اصل: داده‌اند.
5. اصل: چوب شما دار است.
6. چاپی: پهن شد و.
7. چاپی: افتاد.

به‌اندک زمانی بر لب دریا آمد و نشست. دریا طرفه دریایی به‌جوی خود بست. هر دو پا در آب در آویخت. دریایی به‌دریا برآمیخت. من که پا بپا دویده آمده[1] بودم، پیش رفتم و روی خود نمودم. دید و نپرسید[2]. متفحصِ نام شدم، به‌جرأت تمام. گفتا: احسن‌الله و لقب رام.گفتم: وطن؟ گفتا: دکن. گفتم: چه پیش آمد که این‌جا رسیدی؟ گفتا: همین آوارگیها که دیدی. گفتم: دست و دهنِ گردآلود بشو و با من اندکی واضح‌تر بگو.

چون (به) سماجت من نظر کرد، ناچار حرف سرکرد که ای عزیزا جوانی بود، شور در سر داشتم. شبی از خانه پا بیرون گذاشتم. قلندری جگر کبابی در بازار کمر سیخ کرده به‌نظر درآمد. شیر قلاب سیمین خود را که بر پنجهٔ[3] او از اتفاقات شکستی رسیده بود، به‌دکان زرگر درست می‌کنانید. سُبحه دردست داشت، متصل می‌گرداند[4] و به‌حسرت تمام این تسبیح را می‌خواند که "سبحان من لیس للخلق الی معرفته سبیل". بسیار به‌دلم خورد. دست در گریبان‌زده از شهر برآمدم. و چون غبار سراسیمه به‌دامن کوهی درآمدم. چندی دران سنگلاخ سخت خوردم. دندان بر جگر افشردم. غذا برگِ‌تر کردم. به‌همین سر بسر[5] کردم. روز و شب زار نالیدم. روی بر خاک مالیدم.

---

1. اصل: آمدم.
2. اصل: پرسید.
3. اصل: نیچه رداز.
4. اصل: می‌گردید.
5. اصل: بسیر.

حرف[1] نگفتن گرفتم. ترک خفتن گرفتم. دیوانه‌وار گشتم. یعنی بسیار گشتم. سر را بر هر سنگ زدم. صد مرده فریاد شدم.

یکی بعد از نماز صبح این رو سیاه جملگی قبیح بر تختهٔ سنگی نشسته بر سبیل ته پا برگ درختانِ سبز را می‌خورد. ناگاه سیاحت پیشه سر تا پا اندیشه در راه خدا خود گم و ریشش جو و گندم. چپکن[2] در بر، چتر طاؤس بر سر. از جانب دست راست پیدا شده گفت: که ته‌داران[3] تنها ته‌بندی نمی‌کنند. از تنک‌رویی جواب ندادم. بر تختهٔ سنگ جا کشادم. دو سه برگ تناول نمود. لحظه‌ای آسود. و فرمود که ای عزیز! مگر[4] دل‌دادهٔ آن یار پریشان اختلاطی که جای او در هردل پیدا ست. وارفتهٔ آن قیامت[5] خرامی که سراسر برای خویش است و پیش خود بر پا. آن سرمایهٔ ناز رنگین رفتنی دارد که از طرز رفتارش چمن چمن جان می‌بارد. استغنایش به‌حدّیست که اگر از باد دامن بلندش جهانی، برباد رود، پروا ندارد. در جایی که به‌خس پهلو می‌دهد، محیط اعظم را کی رو می‌دهد.

یار ما آن دارد و این نیز هم

از لب‌های شکرینش به‌سبب تلخی ناکامی دل‌زده نباید شد که نومیدی را دوست نمی‌دارد. آن پرکالهٔ آتش یعنی تجلی جلوهٔ[6] من در

---

1. اصل: حرف بر سنگ‌زدم صد مرده فرهاد شدم.
2. اصل: خرکن.
3. اصل: پرداران.
4. اصل: هر دل پیش خود.
5. اصل: رفتنهٔ آن قیامت خرابی.
6. اصل: به‌چنین.

نی بست چنین عاشق قدم نمی‌گذارد. نومیدی از برای چه مقصود همکنار است. دل تنگ چرا نشسته‌ای که عالم همه یاراست. برخیز و سیاحت کن. خوش باش و فراغت کن. برخواستم. همراه شدم. آگاهی بود آگاه شدم.

روزی در نواح گوالیار تکیهٔ فقیری را منزل نمودیم. و در میان هر دو صبح مشغول به‌رکعت منفردهٔ[1] وتر بودیم. ناگاه طوطی قفسی که زبان دادهٔ صاحب آن مکان بود، دو سه بار سبحان الله به‌حزن تمام گفت، غیرت عشق در من حالتی نه گذاشت. هوش از سرم دست لطف برداشت. سیاح آن[2] آب بر چهره‌ام زد. طاقت رفته باز آمد. گفت: چه بود؟ گفتم: ذکر کردن طوطی بر دماغم خورد. غیرت عشق از جایم برد. گفتا: آن محبوب را نیز به‌عاشق همین معاملت است. اگر او را مشغول بغیر می‌بیند، با این بدل[3] نزدیکی دوری می‌گزیند. فتنه به‌ایمای او بر سرش می‌دود. نی نی بلکه تا کشتن همراه می‌شود.

درویشی از کلبهٔ تاریک خود گاهی بدر نمی‌آمد. روزی معتقدی گفت که شب‌های ماه در سواد این شهر مهتاب خوب[4] می‌شود. اگر چشم[5] آب داده آید، خالی از کیفیت نیست. آن مست شراب معرفت تکلیف او را بر خاک نینداخته رفت. هنوز چشم وا نه کرده بود که

---

1. اصل: مفرمودهٔ در.
2. چاپی ندارد.
3. اصل ندارد.
4. اصل: حرت.
5. اصل: چشمهٔ معتقد.

ترکی‌ای[1] خنجر کشیده در دست رسید. و پرسید که فلان کس تویی؟ گفت: بلی. گفتا: ترا مستجاب‌الدعواة می‌گویند. غلام من خورجینِ پر از زر گرفته گریخته است. دعای کن که پیدا شود. ورنه می‌ستیزم و خونت می‌ریزم. درویش از ته[2] کار خبر بود. دانست که آن همه ناز و عتاب را که هر دم از خود حساب دارد، بی[3]یاد چهرهٔ مهتابی خود نشستن من در مهتاب خوش نیامد. بسیار متنبه شد و به‌آن ترک گفت که پیشتر از صبح صادق بر لب دریا برو. سفینه‌ای که اول به‌آب اندازند، بر او سوار شو. ان‌شاء الله به‌مراد خواهی رسید. ترک رفت و همچنین کرد. غلام را معه زر در همان کشتی یافت[4]. درویش ازان باز برنیامد. ترک ملاقات کرد. تا آن‌که مرگ طبیعیش رسید و وفات کرد.

هرگاه قصد پیشتر کردم، سیاح پیش آمد و گفت که منِ قلاش با این افتادگی پس از خرابی بسیار چون تو دولتی را از صحرا یافته‌ام. حیف است که از دست دهم. امّا ازین‌جا ده پانزده کروه قصبه‌ایست مشهور به باری، قدمگاه پیر من آنجاست. اگر برای چند روز دل‌دهی، رفته چراغ افروزم و سعادت دارین اندوزم. گفتم: خدا همراه او. به‌آن طرف حرکت کرد و من در خرابهٔ گرد این شهر آمده ساکن شدم. مدت ده ماه به‌تنهایی بسر بردم. امروز از وحشت رو به‌شهر آوردم.

---

1. اصل ندارد.
2. اصل: بر کار.
3. اصل: ولی.
4. اصل: یافتند.

عوام کالانعام این‌جا تشنهٔ خون شدند. لنگر از کف داده به‌دریا رسیدم. اکنون دل به‌دریا افگنده منتظر اشاره آن طرف نشسته‌ام. چون شام خندید، مشغول نمازگردید[1].

دم[2] صبح باز به‌خدمت او رسیدم. دیدم که به‌همان طور نشسته است. طعام با خود داشتم. پیش گذاشتم. دو سه لقمه خورد و دست[3] برد. گفتم: طشت و آفتابه حاضر است. و غلام موجود. گفتا: من درویشم، مرا در بند اینها نباید بود. مگر گفتهٔ مولانا کاتبی[4] به‌کاغذی ندیده‌ای:

در قصـر لاجـوردی خطّی است بر کتابه
کای بی‌زران چه حاصل از گنج در خرابه
پایان کار بـایـد از جمـله دست شـستن
گر[5] مـاه طـشت‌داری ور مـهـر آفـتـابه

گفتم: بوریایی برای فرش آورده‌ام. گفت: من با خاک سری دارم. گفتم: ردایی‌نو بهم رسانده‌ام. گفت: آن[6] بار را بر دوش نمی‌گذارم. گفتم: کاسه برای آب خوردن خریده‌ام. گفت: کاسه بر سر شکسته‌ام.

---

1. اصل: گردیدم دست بدم پا بزد.
2. اصل ندارد.
3. اصل: دست و پا بزد.
4. شمس‌الدّین محمّد بن عبدالله از روستای طرق و راوش میان ترشیز و نیشابور. چون خوشنویس بود، تخلّص خود را کاتبی برگزید. در 1435-6/839 درگذشت.
5. اصل: کز.
6. چاپی: این.

گفتم: قدر قلیلی برای خرج با خود دارم. گفت: دل به‌این نه بسته‌ام. گفتم: چیزی ازین قبول شود. گفت: می‌خواهی که فقیر ملول شود. دیگر دم نزدم یعنی ساکت شدم.

در آن زمان زنی جمیله چهره رنگ، شوخ و شنگ. از قبیلهٔ خشت[1]سازان سبوچه‌ای گلی بر دوش. آفت صبر و هوش. با چهرهٔ آراسته. چون سروِ نو خاسته. به‌بهانهٔ آب صبح و شام همره ازدحام بر لب دریا می‌آمد و خوبی خود می‌نمود. عالمی دیوانهٔ او بود. به‌سر زلف حرف زنان. پشت چشم نازک کنان. با فقیر هم[2] چهره شد. گفت که ای رهزن دین و دل! این همه خود را گم کردن. برو رام رام می‌گفته باش. به‌مجرد شنیدن لباس درید[3]. خاک لبِ آب بر رو مالید. موی سر پیچیدن گرفت. رام گویان دویدن گرفت. آخر دل همگی خون شد. ده[4] مرده کار جنون شد.چند روز هیچ نخورد. به‌همان حال جان سپرد.

چون این خبر رسید، پشت دست گزید. گفتم: این چه رو نمود؟ گفت: مقدر چنین بود. هیچ جرم فقیر نیست. از مقدر گزیر نیست. نشنیده‌ای که درویشی را آزار شد. چون سخت بیمار[5] شد یعنی بیماری رو به‌تزاید آورد، طبیب در پرهیز مبالغه از حد برد. گفت که

---

1. چاپی: چیت‌سازان.
2. چاپی ندارد.
3. اصل: در ته.
4. اصل: زیر ده.
5. اصل: بسیار.

ای زیاده سر! از مقدر یا از غیر مقدر. غیر مقدر[1] به‌من نخواهد رسید. از مقدر دست باز نخواهم کشید. دو سه روز دیگر دیده شد. روزی از یکی شنیده شد که آن قلندر دو سه دنگی به‌یک دم زد و از سرِ دریا گلبانگ بر قدم زد.

حکایت

دلیل راه عرفان میان شاه برهان، دست از دنیا برداشته. قدم به‌راه فنا گذاشته. آواره‌ای به‌منزل رسیده. به‌گلیم سیه سر در کشیده. سفیدگو و برهنه‌تن، با معنی در یک پیرهن. هرگاه به‌شهر آمدی سنگ به‌سنگ می‌زدی. روزی در سواد شهر به‌نظر درآمد. دیدم چیزی کُروی‌الشکل[2]، به‌غایت براق، در مقدار قریب نیم آثار بدست. در سایهٔ درختی[3] نشسته به‌رویش[4] می‌بیند. گمان بردم که سیم شاخ داریست. آخر پرسیدنی کردم که چه می‌بینی؟ گفتا: بقول مرتضی علی علیه الصلوة سیم هم عجب چیزیست. دمی که از دست می‌رود، نفع این[5] برداشته می‌شود. گفتم: تو فقیر سیم‌آوری. پروایی نداری. این سیم دست افشار را به‌من[6] بده. گفت: ای خام دست! دل بر این منه. سیم روپوش بکار نمی‌آید. برای نان پختن سیم خام می‌باید.

---

1. اصل ندارد.
2. اصل: کردوی الشکل.
3. اصل: درخت.
4. چاپی: هر دمش.
5. اصل: این زر.
6. اصل: دست افسانه ایمن.

گفتم: ترا چه کار؟ گفت: بیا و بردار. چون پیش رفتم، از دست گذاشت و گلیم سیاه خود را برداشت. دست به‌گلیمش زدم که مشتاب. دمی این سیه گلیم را دریاب. باری دلم نشکست[1]، خندید و بنشست. پس از دل‌جویی و مزاج‌گویی. گفتم که ای پیش دامن دیوانگی کردنت (فخر) خردمندان. و ای دنباله گرد نمد موئیت مشکین کمندان. امروز گردآلود از کجا آمده بودی؟ گفت: من الله. گفتم: کجا خواهی رفت؟ گفت: الی الله. گفتم: به‌چه سرمایه در صحرا بسر می‌بری؟ گفت: سرمایهٔ دنیا و آخرت، چون من بی‌سر و پا غیر الله که می‌تواند شد. گفتم: هرگاه از دور پیدا می‌شوی، سنگ به‌سنگ زنان[2] می‌روی. این چه انداز است. گفتا: سنگ به‌سنگ‌زدن کنایه از خراب کردن است. بدانکه آبادی بیرون شهر ویرانه خواهد شد. و این صحبتها افسانه، آنچه گفته بود قریب رو نمود.

روزی شاه مدن قلندر برهنه تن، معاصر او که فقیری بود قامت کشیده. درویش درویشان دیده. مردی صاحب حال و با کمال. همره دو سه کوچک ابدال، قلندرانه بسر بردی. جز نان جوین نخوردی. شب آدینه در تکیه او که متصل مدار دروازه داشت، سیم بندی می‌کردند. خلقی برای سیر چراغان می‌رفت. صبح آن به‌گدایی بر می‌خاست. غیر فلوسی از کسی نمی‌خواست. بده بده بر زبان راندی. این بیت استاد برخواندی:

آوردنِ زر به‌دست آسان نبود   خوابیده بروی هر فلوسی شیری

---

1. اصل: بشکست.

2. از "زنان... تا سنگ به‌سنگ" در اصل نیامده است.

یکی به‌نخاس که در هندوستان جای فروختن اسپان را می‌گویند، آمد. و پیش رائقی نشست[1]. اتفاقاً من نیز نشسته بودم. به‌خاطر گذشت که مرا با این فقیر سابقهٔ معرفتی نیست. و دهن صحبت هم ندارم. اگر خود بخود خداگویی سر کند، دانم که صاحبِ کمال مقرریست. لحظه‌ای بر این نرفته بود که بران خطره مشرف شده سرکرد که ای عزیزا کسی را که الله می‌گوید، من و تو همه‌اش می‌جویند. او عجیب فتنه گریست و غریب خود سریست. به‌جایی که پروا می‌کند، گل‌تر[2] بر سر خاک می‌زند. ادنیٰ اعلیٰ را وجود نمی‌گذارد. مور ضعیف با سلیمان[3] دارد. وقتی در مصر خشک سال افتاد، چه دلبران که هلاک نشدند. چه کسان که خاک نه گشتند. چون اهل شهر سخت خوردند، التجا به‌ذوالنون بردند. او ولیِ وقت بود. توجّه به‌باطن نمود. ظاهر شد که در این صحرا ماده خوکی بچه‌ها آوده است. چون ابر می‌آید، رو به‌آسمان می‌نماید. یعنی در صورت بارش این بچه‌ها تلف می‌شوند. اگر رئیس این‌جا همت بر حفظ آنها بر گمارد، ابر دریا باری برخیزد و صحرا صحرا ببارد. هرگاه برای پاس آنها شتافتند، ازان بلای صعب نجات یافتند. هیچ معقول است که برای بچه‌های خوک خوبان تلف شوند و آدمی روشان از بی‌آبی برباد فنا روند[4].

---

1. اصل: را بصحائیست.
2. اصل: گل بر سر خاک.
3. چاپی: پاس.
4. اصل: برباد نسازند.

در جایی که به‌بی‌پروایی‌ها می‌پردازد، خس از تری روی سیل به‌خاک می‌اندازد. در قتل عام چنگیز که پای کم از رستخیز نداشت، به‌شهر هرات که صد هزار جاندار بودند، به‌قتل رسیدند. مگر سه کس که بگورهای کهنه خزیدند. یکی واعظ مسجد جامع و دو کس دیگر. چون فوج رفت، واعظ برآمد و بر منبر نشسته سرکرد که امروز تنزیهه است. وعظ با دل جمع توان گفت. از شنیدن آواز آشنایش[1] آن هر دو نیز به‌مسجد درآمدند. بی‌دماغ شد. و گفت که باز کثرت شد و تشبیه میان آمد. در همان حال غارتیان در رسیدند و آن هر سه تن را به‌خاک و خون کشیدند.

دمی که این بلا سر به‌آسمان کشید و به‌شیخ نجم‌الدّین کبری[2] رسید، دامن قمیض به‌میان بر زده سنگ در دست به‌قصد جهاد از خانقاه برآمد. و در میدان باستاد. ناگاه ترک بچه‌ای خوش رو به‌شوخ چشمی تمام رسید و نیزه خطی بر لوح سینه‌اش زده گفت که بگیر و بمیر. شیخ آن نیزه را به‌دو دست گرفته سخن زد که ای جوان سادهٔ کین آماده، کلاه ترکی بر سر، کمر زرین در کمر، سنان آبدار در دست، نیم هشیار و نیم مست، میدانی که از ترکستان می‌آیم. این مرا نمی‌شناسد. بلی من ترا نمی‌شناسم:

ای نو بهار باغ جفا می‌شناسمت　　داری هزار رنگ قبا می‌شناسمت

او خندید و نیزه[3] را به‌زور از سینه‌اش برآورد. شیخ همان دم بر

---

1. اصل: اسپانش.
2. سر سلسلهٔ کبرویه که در 618 هـ در حملهٔ مغول در خوارزمشاه به‌قتل رسید.
3. اصل: تیری.

خاک هلاک بیفتاد و بمرد.

غرض که خدا طرفه خود آراست. غریب دلبر خود نماست. گرد راهش قیامت انگیزد و[1] طرز خرامش بلاها ریزد. کار او هیچ به‌فهم در نیاید. دانش اعتراف به‌عجز می‌نماید. حیران کار خردمند. در عجب دقت‌پسند. او سرگرم کار. فکر در آزار. آگاه نا آگاه. دلیل گمراه. ادراک و فهم این‌جا همه وهم.

سخن این‌جا بود که قریب هفت هشت آثار شیرینی در گلیم[2] سیاه خود بسته شاه برهان پیدا شد. قلندر را[3] آواز داد. او قدم تیز کشاد. این هویی کشید. او گرم دوید. دنگی زده گفت که مگر در گلیمت سگ بچگانند. او انداخت و خود را به‌گورستان رسانیده پنهان ساخت. تمام روز گلیم و شیرینی در راه افتاده ماند. سگان هم نخوردند. آخر به‌گفتهٔ اهل محله کنّاسان برداشته بردند. روز دیگر که برهان را دیدند، حقیقت حال پرسیدند. گفت که او شاه و من گدا، نسبت میان من او؟ بخیر گذشت که از زبانش این قسم برآمد. اگر می‌گفت که مثل سگ کجا می‌روی؟ استخوان چه می‌شکنی؟ چه می‌دوی؟ این دیوانه سگ می‌گردید و در خرابه به‌هر سو می‌دوید. از گلیم و شیرینی دست افشاندم. خدا خدا کرده آدمی ماندم.

---

1. چاپی ندارد.
2. اصل: به‌گلیم.
3. چاپی ندارد.

روزی بر سر بازار جزوِ بیاضی در دست نشته بودم[1] که آن دیوانه تمام اجزا به‌دست من افتاد. گفت که در این سفینه چیزی[2] از حال نفوس انسانی بعد مفارقت بدن هم نوشته‌اند. گفتم که در این نسخه رباعیات است و ابیات متفرقه. گفتا: اگر گوش می‌داری[3] من بگویم. گفتم: لطف کن. گفت: بدانکه لذت دریافتن چیزی ملایم است و الم دریافتن/ چیزی منافی آن. هر قوتی را از قوّت‌های مدرکات لذّت و الم است به‌حسب[4] آن قوة. چنانکه لذت باصره در دیدن محبوب و لذت سامعه در سمع آواز خوب. چندانکه مدرک عظیم‌تر لذت قوی‌تر. و گر از اضداد\است، رنج و الم زیاد است. چون هیچ مدرک شریف‌تر از ذات و صفاتِ واجب‌الوجود نیست، پس هیچ لذتی لذیذتر از معرفت او نباشد. و قوت‌های جسمانی با ابدان می‌روند یعنی از فنای آن باطل می‌شوند. قوت عقلی که لذّت و الم را می‌داند، با نفس ناطقه باقی می‌ماند. ادراک نفس متعلق به‌بدن[5] قاصر. و مجرد در مشاهدهٔ جمال او ناظر. بشنو که نفس ناگزیر است از دو حال. یا نقصان دارد یا کمال. کمال را نیز دو حال است. یا علوم است یا اعمال است. علمی در دلایل[6] قدرتش نظر. عملی مجرد گشتن نفس

---

1. اصل: بود.
2. اصل: خبری نفوس و انسانی.
3. چاپی بیندازی.
4. اصل: به‌جهت.
5. اصل: معدن.
6. اصل: دلایش.

بشر. این‌که گفتم از قبیل مقالات است. نفوس را بعد ابدان حالات است:

چـون به‌منزل برسی راه دگر پیش آید

این مپندار که مردی و سخن کوته شد

اگر[1] ساده و پاک چون نفوس اطفال و ابلهانست، از لذت و الم بر کرانست. بر سرِساده و ناپاک جهان جهان خاک. یعنی جاذبهٔ بدنش نمی‌گذارد و به‌معشوق اعلیٰ ربط ندارد و شادان پاک و کامل[2] لذتِ وصالش حاصل. کامل ناپاک چندی در الم یعنی باغم. این‌جا شوقِ آنجا هم. حجاب میان معشوق و او حایل گردد. پس از دیری چون آن لوث[3] زائل گردد، کریم دوری او را[4] نه پسندد. با جواهر و عقول در پیوندد. ناکامل و ناپاک همیشه المناک. واجب است که این جوهر علوی را به‌درجهٔ عقول رسانی. تا بعد انقطاع تصرفش در الم نمانی. شام نزدیک بود. نردبانی در راه انداخته روان شد و به‌گورستان سواد شهر که دران بسر می‌کرد، نهان گشت. شنیدم که همان شب در مهتاب از جوش دیوانگی چرخ زنان می‌گشت. قضا را پایش به‌سنگ مزاری آمد و شکست. و پیش از شکستن شب رخت هستی بربست. دیوانه عجبی بود ذو فنون. انا لله و انا الیه راجعون.

---

1. اصل ندارد.
2. چاپی: کامل که.
3. اصل: لذت.
4. چاپی ندارد.

حکایت

اسد دیوانه. ساکن ویرانه. سالک مجذوب. درویش خوب. رند بوریاپوش. چون بحر در جوش. بر تالاب فیروزخان که مشهور به‌آبگیر شکسته بود، در اشجار سر بهم آورده تکیه به‌کمال پاکیزگی و صفا داشت. اکثر رندان باغاتی[1] در آفتاب گرم آنجا رفته می‌آسودند. و پیش خدمتان آن دل از دنیا برداشته همین ایشان بودند. روزی شنیدم که در تکیهٔ او بوریا کوبی است و یاران در مسجدی که ساخته بود، سرگرم پا کوبی. رفتم و دیدم در میان همه‌ها نشسته. زنگ و زنجیر بر کمربسته. وارسته مستغنی الحال. نیم زبان تمام کمال. اگرچه در[2] ظاهر جامه بر تن نداشت، امّا دامن پهلودار او کس نمی‌گذاشت. شهری برای او سر به‌صحرا. او در کلبهٔ احزان خود تنها. پشت به‌کوه بودن او مشهور. امّا پاس خاطر گاهی منظور. چنانچه مرا دید و پرسید. چون شام شد، طعام آوردند. دست از دنیا شستگان با هم خوردند.

بعد خوردن طعام جوگی‌ای ناته نام تایی پیراهن[3] در بر. زنجیر قلندرانه بر سر. تای خوان[4] بر کف دست. پیش فقیر آمد و نشست. درویش چنان به‌مزاج‌گویی پرداخت که این[5] همه وحشت را ماتوس

---

1. اصل ندارد.
2. اصل ندارد.
3. چاپی: ناته نام تایی پیراهن.
4. اصل: تای خوری.
5. چاپی: مزاح‌گویی، آن.

ساخت. وقتی که سخن از هر باب بر زبان آمد، مذکور حشر اجساد در میان آمد. جوگی که بسیار بر مسائل معاد گشته بود و فقیرانِ نام پهن شده را خدمت می‌نمود، سر کرد که در اثبات بعث و حشر دلایل بسیار است. امّا عود نفس به‌همان بدن دشوار است. مثلثٌ مثلاً آدمی مرد و خاکش همه خورد. و پس از روزگار طویل اجزای ارضی به‌نبات مستحیل. نبات غذای حیوان شد و حیوان غذای انسان. اگر همت[1] به‌حشر برگمارند، به‌کدام صورت بازآرند. معهذا نفوس مفارقه را غایت نیست و ابدان و ماده را نهایت. اگر حشر کنند و به‌قسمت موادگرایند، نفوس از مواد البتّه بیشتر آیند. گفت که هیچ مدانم[2] امّا این قدر می‌دانم که حقیقت جان آدم قدیم است به‌ذات خویشتن و گفتگوی قالب در این‌جا بر قالب زدن. گمان مبر که معنی مرگ نیستی جان عزیز است. این انقطاع تصرف آواز قالب ناچیز است. معنی بعث و حشر نه آن باشد که جان را قالب همان باشد. قالب مرکبی همان[3] بیش نیست. از بدل آن چه زیان است. رد و بدل با سوار است. سوار خود همان است. کسانی که قالب اوّل شرط می‌کنند، ترهات می‌گویند و زنخ می‌زنند.

برخوردِ نخست بود، رخصت خواستیم[4]. من و جوگی باهم برخاستیم. روزی اتفاق دیدن آن هشیار سرباز اُفتاد. دیدم که با همان

---

1. اصل: نهمت.
2. اصل: هیچ دانم.
3. چاپی ندارد.
4. اصل: خواستم.

جوگی گرم صحبت است. و می‌گوید که ای عزیز! دل را به‌دلبری داده‌ام که دیدنش به‌این نظر میسّر نمی‌شود و دل بی‌قرار از بدگمانی بسیار هر دم به‌صد جا می‌رود. هر فرد از[1] افراد انسانیش خدای من می‌گوید. هر بی‌سر و پا نشان او در خود[2] می‌دهد. حیرانم[3] که آن چه خصوصیت است. نمی‌دانم که این چه معیت[4] است. من که دل بر هلاک خود نهاده‌ام و به‌این خرابی در خرابه افتاده‌ام. روز و شب در تابم، هیچ در نمی‌یابم. اگر فی الجمله آگاهی داری بر خود مپیچ. شوق شوق است این‌جا و دیگر هیچ:

می‌کنم آنچه شوق می‌گوید   متعـرض بـمـا نباید بود

اگر شوق در حد کمال است، عاشق به‌منزل وصال است. هر قدر درو قصور، همان قدر راه دور. شوق کامل به‌کام دل می‌رساند. عاشق را معشوق می‌گرداند. کمال انسان معرفت است و کمال معرفت حیرت. اگر حیرانِ کمالات اویی، خوشا حال. ور از ته کار می‌گویی عین وبال. بشنو، دنیا را جهان گذران می‌گویند این‌جا دامن به‌میان بر زده باید بود. یعنی این منزل نیست راه است. قافله قافله می‌روند. فکر زاد باید نمود:

تـا به‌کـی گـویـی ز دنـیا بگـذرم

چون جرس باید سخن در راه گفت

---

1. اصل: بر افراد انسانیش.

2. اصل: نبود.

3. اصل: خواهم.

4. اصل: معیشت.

فقیری همیشه قصر نماز می‌کرد. شخصی گفت که قصر در سفر است نه در وطن. گفتا: هر نفس و هر آن از مرتبهٔ خود می‌روم و چون آب باریک زمان زمان تلف می‌شوم:

جایی که چون نماز سفر عمر کوته است
بی‌جا بود که فکر اقامت کند کسی

یکی بعد نماز شام به‌جرأت تمام به‌او گفتم که ای درویش! این جگر ریش از روزی که بهشت و دوزخ روحانی را شنیده است، خار خاری دارد. یعنی هیچ به‌فهمید من نه می‌آید. اگر بیان نمایی احسانِ بهشت کنی. گفت که ای جوان! بهشت و دوزخ که قالب در آن شریک است، متعارف است. حاصل یکی حور و قصور و انهار و اشجار، حاصل دیگری زهر و زقوم و نار و مار. امّا بهشت و دوزخ روحانی یعنی لذت و الم جانی. حاصل آن دریافت معقولات و مشاهدهٔ آن ماه تمام. حاصل این شرم و خجالت و سوختگی و آلام. حکما می‌گویند نفس را بعد موت لذت عظیمی است که لب به‌وصف او نتوان کشاد. یا در الم الیمی است که شرح آن نتوان داد. اشارت به‌همین دو حال است. نفوس کامله را لذت دوام، ناقصه را رنج و الم مدام.

یکی بر من التفات بسیار کرده گفت که ای جوان! از انداز تو در می‌یابم که سر درویشی داری. بیا ازین خیال درگذر. گام اولین فقیری در هلاک خود کوشیدنست یعنی پیشتر از مرگ طبعی جان سپردن. این را جگری می‌باید. گام دومین خود را ندیدن یعنی با گذشت بسر بردن و خود را به‌چشم نیاوردن. این از دست کسی

نمی‌آید. قطع این دو قدم راه مشکل است. زیرا که هر نفس کار با دل است.

روزی نشسته بودم که گفت: ای جوان! دوش واقعه‌ای دیده‌ام که مشعر بر واقعهٔ من است. می‌بینم که مرا پیر در بغل می‌کشد. و شکایت جدایی می‌کند. غالب که حنای عشرت زندگانی بر سر ناخن رسید. گفتم: خدا ترا صد سال سلامت داراد. خواب خیال است، دل‌بران نباید نهاد. در همان هفته گوش زد شد که به‌سرسام مبتلا گشت. و ازین جهان گذران درگذشت. مرد خوشی بود. خداش بیامرزاد.

حکایت

هرگاه روزگار ناسازگار بدباخت، و مرا از اکبرآباد آواره ساخت. رخت خود به‌شاه‌جهان‌آباد دهلی کشیدم. این‌جا به‌خدمت شریف میان سعید خان رسیدم. او مردی بود کامل، همه تن دست و دل، بالا بلند، دقّت‌پسند، گرمجوش، سراپا هوش، چسپان اختلاط، خوش ارتباط، وضع مربوط، حال مضبوط، دل با یار، دست در کار، قایم‌اللیل، صایم‌النهار. دست از دهش باز نداشتی. مدار بر توکل گذاشتی، سیر چشم تمام حیا، گرسنه دلِ نام خدا. هرجا خسته جانی می‌دید، سر زخمش می‌مالید. گوش بر صدای گدا بودی. گوش‌داری عاجزان نمودی. رو از دنیا برتافته. عارف قرار یافته. قلندرِ موثر دم. کفت[1] و قدم همره هم. چادر بر دوش. با یک سترپوش. پا بی‌کفش،

1. چاپی: گفت

سر عریان. گاهی خندان گاهی گریان. اکثر در مجلس‌های شیخان شهر می‌رفت و پایین می‌نشست. عزیزان بسکه پاس او می‌کردند رفته رفته صف نعال صدر می‌شد، با سبزان نوخط ربط بهم رسانیدی. در برزن و بازار چشم چرانیدی. پاس خاطر هر کس می‌نمود. یک بزرگ کوچک دلی[1] بود. شاه و وزیر جویای ملاقات. او بسیار کم التفات. طرز خاصیش[2] دادن نان. دشمن و دوست هر دو مهمان. بخت بلندی داشت. امیران زر لکی[3] می‌دادند و منّت بر خویش می‌نهادند. یکی چهل هزار روپیه از وزیر گرفت و حوض شکستهٔ قدم شریف را که آب می‌انداخت، مرمّت کرد. و زر بقیه بر فقرا و غربا و ابن السبیل قسمت نمود[4].

چون عمر به‌پنجاه رسید، پای به‌دامن کشید. هر روز بعد نماز صبح به‌گورستان می‌رفت و قریب نیم روز می‌آمد. یکی روز[5] دنبالش گرفته روان شدم. دیدم که بر سر هر گور نظر به‌عبرت می‌کند و پیش می‌رود. ناگاه آواز پای من بگوش (ش) رسید. رو پس کرده به‌خشونت گفت که اختلاط زیاده برآشنایی مرا خوش نمی‌آید. چنان خوف بر من غالب آمد که دیگر طاقت برداشتن پا نماند. وقتی که عین شد، می‌بینم که چیزی به‌چادر خود بسته می‌آرد. پیش رفتم و پرسیدم که چه آورده‌ای؟ گفت: قدری شیرینی برای عجوز شکسته

---

1. چاپی ندارد.
2. اصل: خاصش.
3. اصل: اردلکی.
4. چاپی ندارد.
5. چاپی ندارد.

پای که درین محلّه به‌تلخ کامی تمام چون سرنشینان به‌خاک افتاده بده بده می‌کند، فرستاده‌اند. بیا که او را بخورانم. رفتم و به‌همان حالی که گفته بود، پیر زنی را بر سر راه معاینه کردم. برابر روی او رفته گفت که برخیز و شیرینی بخور. آن ضعیفه از مدّت مدید نام شیرینی نشنیده بود تا بخوردن چه رسد. مضطرب الحال سر از خاک برداشت. درویش همه را پیش رویش گذاشت. او شکم سیر خورد و بخفت. این رو به‌من آورد و بگفت:

راحت به‌دل رسان که همین منزل ست و بس

روزی سگی در بازار از فرط جوع بر استخوان خشک دندان می‌زد. ناگاه ریزهٔ استخوان بجای دندانش خلید و خون برآمد. چون چاشنی دربنِ دندان افتاد، شدّت گرسنگی فریبش داد. یعنی سگ گمان برد که این خون از استخوان می‌آید، به‌دندان خائیدن گرفت. درویش این حالت اضطراری دیده مضطرب شد. مخنثی در آن حال از دکان نان‌بانان نان[1] و شوربا گرفته می‌رفت. دید و باو گفت: دیریست که من و تو هم محلّه‌ایم. امّا تا امروز حاجت روایی من نکرده‌ای. اگر دست ازین نان و شوربا برداری منت‌های بیحد بر من گذاری. او از حالش (با) خبر بود. گفت: بلاگردانت شوم. جان که در دنیا بسیار عزیز است، اگر می‌خواستی مضایقه نمی‌کردم. نان و شوربا چه چیز است. حاصل که ازو گرفته پیش سگ بُرد و آن سگ بی‌طاقت همگی خورد. آری کسان که راهی به‌دل دارند دل سگ را نیز به‌دست می‌آرند.

---

1. چاپی: نان با نان و شوربا.

یکی برادر گرامی قدر محمّد حسین کلیم تخلّص شکایت کرد که از بی‌روزگاری جامه بر تن ندارم. آخر من هم از پیش دامنانم. گاهی مراعات گونه‌ای یا به‌کسی اشاره‌ای که زنده خود بمانم. گفتا: شکوهٔ مراعات بجاست لیکن مرا اختیار کجاست:

این دست من آستین دستِ دگر است

و این که می‌گویی به‌کسی نمی‌گویی، موقوف بر وقت بود. رفت و همان شب به‌خواب دید که درویش با مرزا محمّد علی برادر خورد اسحاق خان شهید[1] برای نوکری من گفت و او قبول نمود. پس از دو سه روز نوکری[2] چهل یا پنجاه روپیهٔ او شده آمد و آن معامله را بیان نمود. گفتا: اضغای[3] احلام اعتبار ندارد. الحمد لله که کامیاب شدی.

با آن‌که محو یادِ الهی می‌بود، امّا ربط درستی به‌شعر و شاعری داشت. یکی دم صبح مرا خواست. چون حاضر شدم، گفت که خفقان به‌شدت دارم، وا شدی نمی‌شود. شعرهای عاشقانه بخوان که زار بگریم. اتفاقاً این شعر از زبان من برآمد:

مبر به‌پیش دلِ نوشکیب من نامش

که از بـرای طپیدن بهـانه مـی‌طلبد

دست بر دل نهاد و غش کرد. مردمان به‌دو دستش برداشته اندرون خانه بردند. ازان باز بیرون نیامد. دو سه روز حال عجبی

---

1. اصل: سپهداه.
2. اصل: نوکری.
3. اصل: اصغای اعلام.

داشت. [گاهی غش و گاهی افاقت[1]] آخر درگذشت. خدای کریمش بیامرزاد و غریق بحر رحمت گرداناد.

نحمده و نشکره که رسالهٔ مسمی به «*فیض میر*» تمام شد. امید از یارانِ زمان آنست که اگر جایی عیب و خطا ملاحظه نمایند، نظر بر وقتِ تنگ و فرصت[2] کم من نموده زبان را به‌طعن نه کشایند. چه شد که آهوانِ معانی را در پیم امّا بره بند این کار دشوارنیم[3].

---

1. این جمله در اصل نیست.
2. اصل: کم فرصت من
3. اصل: کاهوان معانی داریم امّا بره بند این کار دشواریم.

اشخاص

احسن‌الله لقب رام، 11
اسحاق خان، شهید، 31
اسد دیوانه، 24
چنگیز، 20
ذوالنون، 19
سعید خان، 28
شاه برهان، 17، 21
شاه مدن، 18
علی، مرتضی، 17
فیض علی، 1
کاتبی، 15
محمّد تقی، میر، 1
محمّد حسین کلیم، 31
محمّد علی، مرزا، 31
میان سها، 4
ناتهه جوگی، 24
نجم‌الدّین کبری، شیخ، 20

اماکن

اکبرآباد، 10، 28
باری، 14
تالاب فیروزخان، 24
ترکستان، 20
دکن، 11
شاه‌جهان‌آباد دهلی، 28
شیرآهوخانه، 2، 9
قدم شریف، 29
گوالیار، 13
مدار دروازه، 18
مصر، 19
ممتاز گنج، 10
هرات، 20
هندوستان، 19

کتاب

فیض میر، 1، 32

فرہنگ

تمہید

جریدہ: دفتر

تحیّات: درود، سلام

زاکیات: جمع زاکی، پاک

حرف منفصل: علاحدہ علاحدہ حروف جو بچوں کو سکھانے کے لیے لکھ دیئے جاتے ہیں۔

آشنا بہ حرف منفصل نہ بود: جو حرف شناس بھی نہ تھا، علاحدہ علاحدہ الفاظ بھی پڑھ نہیں سکتا تھا۔

سر بہ جہان معنی نہاد: حقیقت کی دنیا میں آرام کیا۔

ترسّل: انشا، مختلف خطوں میں لکھی ہوئی نظم و نثر کی عبارتوں کا مجموعہ جس سے مدرسے کے بچوں کو ہر طرح کی تحریریں اور عبارتیں پڑھنے اور سمجھنے کی مشق ہو جائے۔

حکایت اوّل

برخوردم: میری ملاقات ہوئی۔

این ہمہ پریشان حالی: تو اس قدر پریشان حال ہے۔

آن سراپا ناز: مراد معشوق حقیقی، خدا۔

تنزّہ و تقدّس: علاحدگی اور پاکیزگی۔

پیدا نیست: ظاہر نہیں ہے۔

بہ خود فرو رَو: اپنے اندر اتر جا، اپنی معرفت حاصل کر۔ [ذکر میر]

برو گرد می آمدند: اس کے پاس جمع

ہوجاتے تھے۔

شکر خام: خالص شکر[کھانڈ۔]

آب در شیر نمی کرد: دودھ میں پانی نہیں ملاتا تھا، مراد کسی کوفریب نہیں دیتا تھا۔

نانِ جوین: جو کی روٹی۔

نان می گویم و جان می دهم: روٹی کہتا ہوں اور جان دیتا ہوں۔ روٹی کے نام پر جان دیتا ہوں، انتہائی افلاس کی طرف اشارہ۔

سماط: دسترخوان۔

نان گربه را به تیر نمی زنم: بلّی کی روٹی پر تیر نہیں لگاتا ہوں، بلّی کی روٹی چھینتا نہیں ہوں۔ مراد حریص نہیں ہوں۔[ذکرمیر]

آب بر دست چون تو درویشی ریختن: تیرے جیسے درویش کے ہاتھ پر پانی ڈالنا، یعنی ہاتھ دھلانا۔ مراد خدمت کرنا۔[ذکرمیر]

نان پختن: روٹی پکانا۔ مراد مقصد حاصل ہونا۔

نان به خون تر شدن: روٹی خون میں تر ہونا۔ مراد محروم رہنا۔ کوئی فائدہ نہ اٹھانا۔

نان به روغن افتادن: روٹی گھی میں پڑنا۔ مراد مقصد پورا ہونا۔ مراد برآنا۔

نان به خون تر شدن این جا نان به روغن افتادن (است): اس جگہ محروم رہنا ہی مراد برآنا ہے۔[ذکرمیر]

کهنه واهی: ایک بوڑھی خادمہ۔

مُرده شو: مُردوں کو نہلانے والا۔

مُرده شوبُرده: جس کو مُردہ شو اٹھالے گئے ہوں۔ یہ نفرین کا کلمہ ہے جس سے سخت ناراضگی کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔

رکیدن: بڑبڑانا۔

عَفف: کتّے کے بھونکنے کی آواز۔

ماده سگی عَففی کرده است: ایک کتیا بھونکی ہے۔ اشارہ ہے خادمہ کے بڑبڑانے کی طرف۔

این معنی: یہ بات۔

عجوز: بڑھیا۔

چرب زبانی به کار می برد: خوشامد کی باتیں کیا کرتی تھی۔

پارۂ نانی دم آبی: ایک ٹکڑا روٹی ایک گھونٹ پانی۔

سال خورده: بوڑھی۔

به سرِ وقتِ او افتاد: عین وقت پر اس کے پاس پہنچ گئی۔

از هر که این راز بر روی روزافتاد:

جس سے یہ راز سب پر ظاہر ہو گیا۔
بخیہ بر چھرہ رفت: **راز کھل گیا۔**
[ذکر میر میں اہل بخیہ ہم مشرب، راز دار کے معنی میں استعمال ہوا ہے]
پسر او را خون بگیرد: **اس کا لڑکا مارڈالا جائے۔**
این جا دیّار نہ ماند: **یہاں کوئی نہ رہے۔**
غیرت وادی: **بالکل ویران۔**
مار بہ عصا راہ رود: **سانپ لاٹھی پکڑ کے راستہ چلے۔یعنی دشوار گزار راہ طے کرے۔**
ازین سر تا بہ آں سر: **اس سرے سے اُس سرے تک۔**
این جا قو نہ پرد: **یہاں کوئی چڑیا تک نہ اڑے، یہ جگہ وحشت ناک ہو جائے۔**
قو: **ایک چڑیا۔[بطخ]**
دست و دھن بہ آب کشید: **ہاتھ، منھ دھویا۔**
نماز دیگر: **عصر کی نماز۔(نماز پیشین: ظہر کی نماز)۔**
با من سر کرد: **مجھ سے کہنے لگا۔**
باربندد: **سامان باندھے، رخصت ہو جائے۔**
مرا دل داد: **مجھ کو تسلی دی۔**
پردۂ ظلام فرو هشت: **تاریکی کا پردہ ڈالا۔**

بہ سرھنگی تمام: **بڑی سرکشی یا شورہ پشتی کے ساتھ۔**
خون گرفتہ: اجل گرفتہ: **جس کی موت قریب ہو۔**
خود را بر روی آنھا کشید: **خود کو ان کے سامنے کر دیا، یعنی ان کا مقابلہ کیا۔**
تیغ آبگیری کردہ: **آب دی ہوئی تلوار، تیز تلوار۔**
بہ خاطر جمع: **اطمینان کے ساتھ۔**
غُربا: **پردیسی اجنبی لوگ۔**
کار بہ تمامی کشید: **کام پورا ہو گیا۔**
دلِ شب: **آدھی رات۔**
کل مَکل: **شوروغل، بک بک۔[بے معنی باتیں]**
شب گرد: **چور، ڈاکو۔[رات کو پھرنے والا، مراد چوکیدار، کوتوال]**
بہ در زدند: **نکل گئے، بھاگ گئے۔**
سفیدشدہ پهن گشت: **نمودار ہو کر پھیل گیا۔**
بنایی نماند کہ بہ آب نرسید: **کوئی عمارت نہیں رہی جو پانی سے تباہ نہ ہو گئی ہو۔**
متاعی نیافتند کہ آب نہ دید: **کوئی چیز ایسی نہ ملی جو پانی سے خراب نہ ہو گئی ہو۔**

آب باز: شناور، پیراک۔

پاسی: یک پاس، ایک پہر۔

مژگان بهم زدن: پلک جھپکانا۔

محله برهم خورد: محلہ تباہ ہوگیا۔

فرو برد: نگل گئی، پی گئی، جذب کرلیا۔

معموره: بہت آباد جگہ، آبادی۔

پای مال: کوٹنا، پیسنا، روندھنا۔

دق از دل بر: دل سے کوفت دور کرنے والا، خوش آیند۔

سرنشینان: سرراہ بیٹھنے والے، بے خانماں۔

رو می انداخت: عاجزی کرتی تھی، گڑگڑاتی تھی۔[ذکر میر]

حرف دی روزه است: کل کی بات ہے۔

دست در روغن داشتی: تیرا ہاتھ گھی میں تھا۔مراد خوشحال تھی۔عیش وآرام حاصل تھا۔

سرِدستی بهر کس می گرفتی: ہر شخص کی مدد کرتی تھی۔

انگشترِ پا: پیر کی انگلی کا چھلا، حقیر اور بے وقعت چیز۔

خدا گیر: غضب الٰہی یا بلائے آسمانی میں گرفتار۔[ذکر میر]

روی مرا بر خاك انداخت: مراد مجھ کو بے آبرو کردیا۔[ذکر میر]

اگر با او بر خوری: اگر اس سے تیری ملاقات ہو۔

جهانِ آب و گل را دعا بگویم: دنیا کو دعا کہوں، سلام کروں، دنیا سے رخصت ہوجاؤں، مرجاؤں۔

یلک تیر پرتاب: ایک تیر کے پلّے پر [جہاں تک تیر جائے اتنے فاصلے پر]

تیر مار: ایک قسم کا زہریلا سانپ جو جھپٹ کر کاٹتا ہے۔

کفچه پهن کرده: پھن پھیلائے ہوئے۔

بالابالا: اصل راستے سے ہٹ کر۔

جامهٔ ببری: ایسا کپڑا جس پر شیر کی کھال کے سے نقشے بنے ہوں۔

به بردارد: جسم پر رکھتا ہے، پہنے ہوئے ہے۔

پایم از پیش به در رفت: مراد، میں پریشان ہوگیا۔[میرے پیر نہیں اٹھ رہے تھے]

خرابهٔ تازه: نیا ویرانہ۔

زهره آب می گردید: زہرہ یعنی پتہ، دلیری، پتہ پانی ہورہا تھا، ہمت جواب دے رہی تھی۔

روی درهم کشید: بے دماغ ہوا، جز بز ہوا، چہرے سے ناگواری ظاہر ہوئی۔

گپ دیگر مزن: بس اور زیادہ گپ نہ مارو، بے اصل باتیں نہ کہو۔

کار او خواهد ساخت: اس کا کام تمام کردے گا۔

چه به خود فرو رفته ای: اپنے آپ میں کیوں ڈوب گئے ہو۔ حیرت میں کیوں پڑ گئے ہو، حیران کیوں ہو گئے ہو۔

گرم رم: تیز بھاگنے والا۔

غریبانه: غریبوں کی طرح۔ [مسافروں کی طرح]

استحاله: تبدیل حالت۔

آن سرمایهٔ جان: وہ محبوب حقیقی [دل کی دولت]

آیینه در پیش دارد: آئینہ سامنے رکھتا ہے، اپنے ہی کو دیکھتا ہے، اپنے آپ میں محو ہے۔ [اپنے میں مگن ہے]

سری با خویش (دارد): اپنا ہی خیال رکھتا ہے۔

وَر، و آر، وَ اگر: اور اگر۔

رنگ آل: سرخی مائل رنگ۔

گل به جمالش: کلمہ تحسین، سبحان اللہ، واہ واہ۔

لعب طفلانه: بچکانہ کھیل، بچوں کا کھیل۔

تلواسه: اضطراب، بے چینی۔

خیط الاسود: کالا تاگا۔ مراد سیاہی شب۔

دار بست: ٹٹی کی چھت جس پر انگور وغیرہ کی بیل پھیلتی ہے اور خوشے نکلتے ہیں۔

مار مویزک: ایک قسم کا سانپ جو مٹی میں چھپ جاتا ہے اور صرف اپنا سر جو مویز یعنی منقی کی مانند ہوتا ہے، باہر نکالے رہتا ہے۔ جب کوئی منقی کے دھوکے میں چھوتا ہے تو وہ اس کو کاٹ لیتا ہے۔ فلک کی مناسبت سے تاروں کو مار مویزک قرار دیا ہے۔

دل از جا رفت: دل ٹھکانے نہیں رہا۔

عنان دل از دست داده : دل کی باگ ہاتھ سے دے کر۔ مراد بے قابو ہو کر۔

گداز گشتم: میں مغموم ہوا۔

جنازه کشان: جنازہ اٹھانے والے۔

کدخدایان: معزز لوگ [مکھیا۔]

خواننده: گانے والے، خوش الحانی سے پڑھنے والے۔

مار گیری: مکاری، فریب، دھوکا۔

ارقم روزگار: زمانے کا چتکبرا، یعنی دورنگا

سانپ۔

ماه ها سینهٔ من تفت: مہینوں میرا سینہ جلا کیا[دکھی رہا۔]

حکایت دوم

تیر خاکی: تیر جس کا پیکان ہڈی کا ہوتا ہے اور جو بہت دور تک جاتا ہے۔

گرد می کند: ظاہر ہوتا ہے، نمودار ہوتا ہے۔

دور کرد: دور کرنے والا۔

انداز دیدنش کردم: اس کو دیکھنے کا ارادہ کیا۔

گردباد: بگولا۔

چوب شما در آب است: تم کو سزا ملنے والی ہے۔ سزا دینے کے لیے چھڑیاں پانی میں بھگو رکھی جاتی تھیں تاکہ مارنے میں ٹوٹ نہ جائیں۔

مبادا آسیبی به ما رسد: ایسا نہ ہو کہ ہم کو چوٹ لگ جائے۔

پاك بسوزد: بالکل جل جائے۔

پر کالهٔ آتش: آگ کی چنگاری۔

شعله ای برخاسته پهن شد: ایک شعلہ اٹھ کر پھیل گیا۔

سر به بازار نهاد: بازار کی طرف چلا۔

قدم کشاد: چلا گیا، چل دیا۔

دریا به جوی خود بستن: چلتی پھرتی چیز کو روک رکھنا۔

دریا طرفه دریایی به جوی خود بست: دریا نے اس عجیب جہاں گرد درویش کو روک لیا یعنی وہ درویش دریا کے کنارے ٹھہر گیا۔

پا به پا: پاؤں پاؤں، پیدل۔

حرف سر کرد: گفتگو شروع کی۔[ذکر میر]

کمر سیخ کرده: کمر سیدھی کیے ہوئے۔

شیر قلاب: قلندروں کی پیٹی کا بکسوا جو اکثر شیر کی شکل کا ہوتا ہے۔

سُبحه: تسبیح، سین پر پیش ہے۔ زبر سے پڑھنا غلط ہے۔

سُبحانَ مَن لَیسَ لِلخَلقِ اِلیٰ مَعرِفَتِه سَبِیل: پاک ہے وہ ذات جس کی معرفت کی طرف خلق کے لیے کوئی راستہ نہیں۔

بسیار به دلم خورد: میرے دل پر بہت اثر ہوا۔

دست در گریبان زده: گریبان پھاڑ کر۔

سنگلاخ: پتھریلی جگہ، پہاڑی جگہ۔

سخت خوردم: بڑی زحمت اٹھائی۔

دندان بر جگر افشردم: مکروہات کو برداشت کیا۔[ذکر میر]

به همین سر بسر کردم: اسی طرح بسر کی۔

روی برخاك مالیدم: انتہائی عاجزی و انکساری برتی، خود کو بہت حقیر و ذلیل کیا۔ [ذکر میر]

صد مرده فریاد شدم: میں سو آدمیوں کی فریاد ہوگیا۔ میری حالت پر بہت لوگ افسوس کرنے لگے۔

تهِ پا: ناشتا۔

بر سبیل تهِ پا: ناشتے کے طور پر۔

ریشش جو و گندم: اس کی داڑھی کھچڑی تھی، یعنی کچھ بال سیاہ اور کچھ سفید تھے۔

چتر طاؤس: مور کے پروں کا چتر۔

ته داران: باوقار لوگ۔

تنها ته بندی نمی کنند: اکیلے کچھ نہیں کھاتے ہیں۔

تنك رویی: شرمندگی۔

دامنِ بلند: لمبا دامن۔ [دامن پهلو دار: ایسا شخص جس سے بہت سے لوگ فائدہ حاصل کرتے ہیں، ذکر میر]

پهلو می دهد: مدد کرتا ہے۔

رو می دهد: التفات کرتا ہے۔

دل زده: مغموم، ناخوش۔

نی بست: ٹٹیوں سے بنا ہوا جھونپڑا۔

هر دو صبح: صبح کاذب اور صبح صادق۔

زبان داده: سکھایا ہوا۔ [ذکر میر]

بر دماغم خورد: میرے دماغ پر لگا، میرے دل پر چوٹ لگی۔

به این به دلِ نزدیکی: دل سے اتنا قریب ہونے کے باوجود۔

بدر نمی آمد: باہر نہیں نکلتا تھا۔

مهتاب: چاندنی۔

اگر چشم آب داده آید: اگر آنکھیں روشن کی جائیں۔ نظارے کا لطف حاصل کیا جائے۔

تکلیف: تجویز۔

بر خاك نینداخته: رد نہیں کی۔

خورجین: تھیلی، تھیلا۔

ته کار: اصل کار، حقیقتِ امر۔

آن همه ناز و عتاب: وہ جو مجسم ناز و عتاب ہے۔ مراد معشوق حقیقی، خدا۔

از خود حساب دارد: اپنے آپ پر مغرور ہے، اپنا رتبہ پہچانتا ہے۔

چهرهٔ ماهتابی: چاند کا سا چہرہ، روشن چہرہ۔

افتادگی: ذلت، حقارت۔

کروه: کوس۔

قدم گاه: قدم رکھنے کی جگہ، قیام گاہ۔

خدا همراه: خداحافظ۔

لنگر از کف داده: مضطرب ہو کر، گھبرا کر۔ [ذکر میر]

دل به دریا افگنده: خطرے کے لیے آمادہ ہو کر۔

شام خند: شام ہنسی یعنی شام ہوئی۔

در بند اینها نه باید بود: مجھ کو ان چیزوں کی فکر نہیں ہونا چاہیے۔

با خاك سری دارم: مجھ کو خاک سے انس ہے۔

کاسه بر سر شکسته ام: کاسہ برسر شکستن سے مراد ہے، رسوا کرنا، یہاں لفظی معنی لیے گئے ہیں۔[ذکر میر]

چهره رنك: گلاب کا سارنگ۔

خشت سازان: اینٹ بنانے والے، [رضوی صاحب نے حیت سازان بہ معنی چھینٹ بنانے والے لکھا ہے۔]

به سر زلف حرف زنان: مراد بے پروائی سے ناز و تبختر کرتی ہوئی۔

با فقیر چهره شد: فقیر کے سامنے آ گئی۔[ذکر میر]

دَه مَرده: دس مردوں کے برابر یعنی بہت۔

پشت دست گزید: بہت افسوس کیا۔ [ذکر میر]

زیاده سر: اپنی حد سے بڑھنے والا۔ [ذکر میر]

دنك: نعرۂ قلندرانہ۔

گلبانك بر قدم زد: تیزی سے چلا گیا۔ [ذکر میر]

حکایت سوم

سفید گو: صاف گو، بے پردہ بات کہنے والا۔

دریك پیرهن: دو چیزوں کا ایک پیراہن میں ہونا۔ مراد بالکل قریب ہونا، ساتھ ہونا۔

کُروی الشکل: کُرے کی شکل کی گول۔

سیم شاخ دار: خالص چاندی۔

تو فقیر سیم آوری: تو مالدار فقیر ہے، فقر کی دولت رکھتا ہے۔

سیم دست افشار: چاندی جو ہاتھ سے دبانے سے دب جائے۔ بالکل خالص چاندی۔

سیم روپوش: چاندی جس کا چہرہ چھپا ہوا ہو۔ مراد کھوٹی چاندی۔

برای نان پختن سیم خام می باید:

حصول مقصد کے لیے خالص چاندی چاہیے۔

دمی: ذرا دیر، ایک لمحے کے لیے۔

سیہ گلیم: بے دولت، بدنصیب۔

پیش دامن: خادم۔

ابدال: وہ مردانِ غیب جو درگاہِ حق کے اہل حل وعقد ہیں۔

کوچک ابدال: قلندر کے کم سن مرید۔ [ذکرِ میر]

آدینہ: جمعہ۔

سیم بندی: شمعیں لوہے کے تاروں سے لٹکا کر روشن کرنا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہوا میں معلّق ہیں، چراغاں کرنا۔ [ذکرِ میر]

غیر هلوسی: ایک پیسے کے سوا۔ فلوس جمع فَلس بطور واحد مستعمل۔

رایق: آبِ جاری وصاف۔

دهن صحبت هم نه دارم: باتیں کرنے کے قابل نہیں ہوں۔ [میرا کیا منھ ہے، ذکرِ میر]

خدا گویی سر کند: خدا کے بارے میں گفتگو کرنا شروع کردے۔

خطره: اندیشہ۔

مشرف: مطلع۔

سخت خوردند: تکلیفیں اٹھائیں۔

[سر سخت خوردن، ذکرِ میر]

برای پاس آنها: ان کی حفاظت کے لیے۔

تری: درشتی، سختی۔

روی سیل به خاك می اندازد: سیلاب کو نیچا دکھاتا ہے۔

پای کم از رستخیز نداشت: قیامت سے کم درجے کا نہ تھا۔

تنزیہ: پاکیزگی، علیحدگی، خیال کی یکسوئی، وحدت۔

تشبیہ: مشابہت، مماثلت، خیال کا انتشار، کثرت۔

امیر مینائی کا ایک شعر ہے:

نظر آتا ہے یاں تشبیہ میں تنزیہہ کا عالم
تعالی اللہ کثرت میں ہے پیدا رنگ وحدت کا

حافظ محمد علی قلندر کاکوروی نے اپنی کتاب "مصباح التعرف للارباب التصوف" میں تشبیہ اور تنزیہ کا مطلب یوں بیان کیا ہے:

تشبیہ: ظہورِ ذاتِ حق کا مع اسماء وصفات کے مظاہرِ کونیہ میں بہ اعتبارِ تمثیل و تجلّی کے حسبِ تقاضائے حبِّ ذاتی و مقتضیاتِ اعیان۔

تنزیہ: ذاتِ حق کو عیوب اور نقصاناتِ امکانیہ سے پاک جاننا اور باوجود ان اعتبارات اور

ظہورات کے ذات کو ہر حال میں مجرد اور منزّہ جاننا اور تعینات اور تشبیہات سے پاک سمجھنا۔

غارتیان: لٹیرے، ڈاکو۔

نیزۂ خطّی: سیدھا عمدہ نیزہ۔

کنّاس: مہتر، جھاڑو دینے والا۔

آن دیوانۂ تمام اجزا: کامل دیوانہ۔

ملائم: مناسب طبع، طبیعت کے موافق۔

مدرکات: جن چیزوں کا ادراک کیا جائے، جو محسوس کی جائیں۔

نردبانی در راہ انداختہ: ایک سیڑھی زمین پر ڈال کر۔ مراد دل سے باتیں کرتا ہوا تا کہ راستہ آسانی سے کٹ جائے۔

شکستن شب: رات ڈھلنا۔ [ذکر میر]

ذو فنون: بہت سے ہنر جاننے والا۔

اِنّا لِلّٰهِ وَ اِنّا اِلَیهِ رَاجِعُون: ہم اللہ کے لیے ہیں اور اسی کی طرف پلٹ جانے والے ہیں۔

حکایت چہارم

سربہ ہم آوردہ: سر ملائے ہوئے، سر جوڑے ہوئے

رندان باغاتی: باغوں میں پھرنے والے، آزاد منش لوگ۔

آفتاب گرم: تیز دھوپ

بوریا کوبی: نئی عمارت بنانے کا جشن۔

آهنك و زنجیر بر کمربسته: آزاد فقیر کمر میں زنجیر اور گھنٹی باندھتے تھے۔

دامن پهلو دار: وسیع دامن جس سے بہت مستفید ہو سکتے ہیں۔

دست بہ کوہ بودن: دل مضبوط ہونا، اپنے آپ پر بھروسہ کرنا۔

تای پیراهن: ایک عدد کرتہ۔

زنجیر قلندرانه بر سر: قلندروں کی طرح زنجیر سر پر لپیٹے ہوئے۔

حشر اجساد: مردوں کا قبر سے اٹھانا۔

نام پهن شده: جن کا نام پھیل چکا ہو۔

نام ور: مشہور۔

بعث و حشر: مردوں کا جگانا اور اٹھانا۔

نفوس مفارقه: الگ الگ روحیں۔

قالب چشم: کاسۂ چشم۔

بسر قالب زدن: فضول بکنا۔ [مہیا کرنا، سرانجام دینا: ذکر میر]

تصرّف: دخل۔

تنزیات: ختان باطن۔

زنخ مـی زنند: ہرزہ و پوچ می گویند۔ [بکواس کرنے والا، ذکر میر]

برخورد نخست: پہلی ملاقات۔

سرباز: سر کشادہ، ننگے سر۔

هر فرد از افراد انسانیش: انسانی افراد میں سے ہر فرد اس کو۔

برخود مپیچ: پیچ وتاب مت کھا۔[ذکر میر]

متعرض: روکنے والا، دخل دینے والا، ٹوکنے والا۔

خیر کار: حقیقت حال۔

دامن بر میان برزده باید بود: دامن گردانے ہوئے، کمر کسے ہوئے، مراد چلنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔

زاد سفر: سامان سفر۔

آب باریك: تھوڑا پانی۔

خار خاری دارد: تردد، فکر، اندیشہ۔

احسان نسبت: بہت بڑا احسان۔

زقّوم: دوزخ میں ایک درخت ہے جس کے تلخ و بدذائقہ پھل دوزخیوں کی غذا ہیں۔

الم الیم: شدید غم۔

گذشت: غیر۔

کار بادل است: ہمت کا کام ہے۔

واقعه: خواب۔

مشعر: ظاہر کرنے والا، خبر دینے والا۔

واقعهٔ: موت۔

حنای عشرت زندگانی بر سر ناخن رسید: زندگی کی خوش دلی خاتمے کے قریب پہنچی۔

حکایت پنجم

بدباخت: برائی کی۔[ذکر میر]

همه تن دست و دل: نہایت فیاض۔

قائم اللیل و صائم النهار: رات بھر عبادت کرنے والا، دن بھر روزہ رکھنے والا۔

گرسنه دلِ نام خدا: ذکر خدا کا مشتاق۔

سر زخمش می مالید: اس کو تسلی دیتا تھا۔ [ذکر میر]

گوشداری عاجزان: عاجزوں کی طرف التفات۔

گفت و قدم: قول وفعل۔

همره هم: ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ۔

گفت و قدم همره هم: قول وفعل میں مطابقت۔

عزیزان: ذی عزت لوگ۔

صف نعال: جوتے اتارنے کی جگہ، آخری صف۔

صدر: سب سے بلند، سب سے زیادہ عزت والی جگہ۔

سبزان نو خط: حسین لڑکے جن کا خط حال

ہی میں نکلا ہو۔

برزن: کوچہ، گلی۔

چشم چرانیدی: رغبت کی نظر سے دیکھنا۔

[ذکر میر]

بزرگ کوچک: خدارسیدہ نوجوان۔

زر لکی: لاکھ روپیہ۔

کہ آب می انداخت: جس سے پانی بہہ جاتا تھا۔

قدم شریف: عمارت جس میں ایک پتھر پر رسول اکرم کے قدم کا نشان بنا ہوا ہے۔

[دہلی میں بھی ایسی عمارت تھی]

ابن السبیل: مسافر۔

قسمت (کرد): تقسیم کردیا۔

پای به دامن کشید: گوشہ نشین ہوگیا۔

اختلاط زیاده بر آشنایی: شناسائی سے بڑھ کر بے تکلفی۔

مرا خوش نمی آید: مجھ کو اچھا نہیں لگتا۔

عین شد: روشنی ہوئی۔

شکسته پا: مجبور۔

سرنشینان: سرراہ بیٹھنے والے، بے خانماں۔

چاشنی در بن دندان افتاد: مزہ ملا۔

جامه بر تن ندارم: مراد ضروریات زندگی میسر نہیں ہیں، میرے بدن پر کوئی کپڑا نہیں ہے۔

پیش دامنان: خادمان، عقیدتمندان۔

زنده خود بمانم: زندہ تو رہوں۔

اضغاث احلام: خوابہائی پریشان۔

وا شدی نمی شود: کوئی افاقہ نہیں ہوتا۔

نحمده و نشکره: اس کی حمد کرتے ہیں اور اس کا شکر بجالاتے ہیں۔

برّه بند: ماہر، مشاق۔[ذکر میر]

تعلیقات

1- **چنگیز** مشہور منگول فرمانروا۔ 616ھ میں خوارزم شاہیوں کو شکست دی۔ دو سال تک مختلف ایرانی شہروں کو فتح کرتا رہا۔ 619ھ میں مغولستان واپس اور 624ھ میں فوت ہوا۔ اس کے مظالم اور شقاوت کے چرچے عام ہیں۔

2- **ذوالنون ثوبان** بن ابراہیم اخمیمی مصری ملقب بہ ابوالفیض (متوفی 245ھ/958) یہ نوبہ کے رہنے والے تھے۔ اپنے دور کے معروف عارف اور فصاحت و حکمت میں بے مثال تھے۔ انھیں زندیق کہا گیا۔ متوکل عباسی نے ان سے گفتگو کی۔ رہا کر دیا۔ یہ مصر لوٹ آئے اور فوت ہو گئے۔

3- **محمد حسین** متخلص بہ کلیم شاہ جہاں آباد کے رہنے والے، سپاہی پیشہ، صاحب دیوان شاعر تھے۔ جس میں قصائد، مخمس اور رباعیات شامل تھیں۔ یہ مرزا بیدل کے اسلوب پر شعر کہتے تھے۔ ان کے تہ دار کلام کو سمجھنا آسان نہیں۔

فارسی میں کلیم کاشانی (متوفی 1651/1061) مشہور شاعر گذرا ہے اور ریختہ کے یہ کلیم ہیں۔ یہ میر کے رشتہ دار ہیں۔ ان سے اخلاص کا رشتہ برقرار ہے۔ (نکات الشعرا، ص 47) ان کا ایک ضخیم دیوان تھا (قائم)، عروض و قافیے پر رسالے لکھے اور فصوص الحکم کا اردو (نظم) میں ترجمہ کرتے تھے

[مگراس سے] ہاتھ اٹھالیا(قائم) احمد شاہ کے زمانے میں تھے۔ دہلی میں انتقال کیا(علی ابراہیم، گلشن ہند) میاں میر حاجی تجلی کے والد تھے(مصحفی)۔ طب جانتے تھے(گلشن بے خار) ایک قصہ بھی فصیح و بلیغ ریختہ نثر میں لکھا(سرمد)۔ یہ اطلاعات یادگار شعرا، اسپرنگر ترجمہ طفیل احمد، اردو اکادمی لکھنؤ 1985 میں ص 142-143 سے ماخوذ ہیں۔

4-مولانا **کاتبی**، ترشیز کے رہنے والے تھے۔ اپنے دور کے مشہور شاعر ہیں۔ نظامی گنجوی کی مخزن اسرار کا جواب لکھا ہے۔ اس کے علاوہ دیگر مثنویاں اور دیوان بھی ان کی یادگار ہیں۔ استرآباد میں 838 سے 850 کے درمیان فوت ہوئے۔

5- مرزا **محمد علی** کے بارے میں کچھ دریافت نہیں ہوسکا، لیکن یہ جیسا کہ میر نے لکھا ہے اسحاق خان شہید کے چھوٹے بھائی تھے اور اسحاق خان شہید اپنے دور کے ایک معروف منصب دار تھے۔

6-**نجم الدین کبریٰ**: کبرویہ سلسلے کے بانی احمد بن عمر بن محمد خوانی خوارزمی معروف بہ نجم الدین کبریٰ اپنے دور کے معروف عارف تھے۔ ''ولی تراش'' کہلاتے تھے۔ خوارزم پر 618ھ/1221 میں منگولوں کے حملے میں قتل کردیے گئے۔

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی چند مطبوعات

نوٹ: طلبہ واساتذہ کے لیے خصوصی رعایت۔ تاجران کتب کو حسب ضوابط کمیشن دیا جائے گا۔

انتخاب غزلیات میر



مرتب: ڈاکٹر حامدی کاشمیری

صفحات: 255

قیمت:-/67 روپے

میر تقی میر



مصنف: نثار احمد فاروقی

صفحات: 191

قیمت:-/38 روپے

کلیات میر (جلد اول)



مرتب: ظل عباس عباسی

صفحات: 870

قیمت:-/336 روپے

کلیات میر (جلد دوم)



مرتب: احمد محفوظ

صفحات: 632

قیمت:-/410 روپے

تذکرہ علمائے بلخ

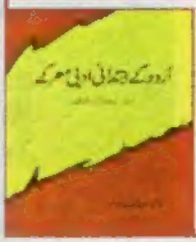


مؤلف: صفی الدین واعظ بلخی

صفحات: 109

قیمت:-/42 روپے

اردو کے ابتدائی ادبی معرکے



مصنف: ڈاکٹر محمد یعقوب عامر

صفحات: 251

قیمت:-/22 روپے

ISBN: 978-81-7587-333-9

क़ौमी काउन्सिल बराए फ़रोग़-ए-उर्दू ज़बान

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

National Council for Promotion of Urdu Language

Farogh-e-Urdu Bhawan, FC-33/9, Institutional Area,
Jasola, New Delhi-110025